عبدالعزیز نور

الاصلاح

دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۹۰۲

دائرہ حمیدیہ کی اعانت

دائرہ حمیدیہ کی خدمت و اعانت، کتاب الٰہی کی خدمت و اعانت ہے۔ اسکی تین صورتیں ہیں:۔

(۱) جو حضرات سو روپے یکمشت دائرہ کو عنایت فرمائیں گے وہ دائرہ کے معاون دائمی متصور ہوں گے۔ ان کو دائرہ کا رسالہ الاصلاح اور تمام مطبوعات ہدیۃً دیجائیں گی۔

(۲) جو حضرات پچاس روپے یکمشت عنایت فرمائیں گے ان کو رسالہ الاصلاح اور دائرہ کی دوسری مطبوعات برابر نصف قیمت پر دیجائیں گی۔

۳- جو حضرات دس روپے سالانہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں الاصلاح ہدیۃً جاری کیا جائے گا اور سال بھر کی مطبوعات بلا قیمت بھیجی جائیں گی۔

ہدایات و قواعد

۱- "الاصلاح" ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تک شائع ہوگا۔

۲- اگر مہینہ کے آخر تک پرچہ نہ پہنچے تو فوراً دفتر کو لکھکر منگوا لیجئے ورنہ بقیمت بھیجا جائے گا۔

۳- مضامین وغیرہ اڈیٹر کے نام بھیجئے اور دفتر سے متعلق امور کیلئے تمام خط و کتابت منیجر سے کیجئے۔

۴- دفتر سے خط و کتابت کرنے میں خریداروں کو نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیے۔

۵- چندہ سالانہ چار روپے۔ بیرون ہند کے لئے چھ روپے۔ فی پرچہ چھ آنے۔

عبدالاحد اصلاحی | منیجر دائرہ حمیدیہ | سرائے میر اعظم گڈھ

عبدالاحد اصلاحی طابع و ناشر نے اصلاح پریس سرائے میر اعظم گڈھ میں چھاپکر شائع کیا۔

دائرہ حمیدیہ کی اردو مطبوعات

تفسیر سورۂ اخلاص

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس سورہ کی ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں۔ لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہی کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں، ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ نہایت عمدہ۔ **قیمت** :- ۵ر

تفسیر سورۂ والتین

استاذ امام علامہ فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورۂ والتین کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین سے وجوہ استشہاد اور ان کی تعیین کے متعلق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ تحقیق اور وسعت نظر کا اعجاز ہے۔ **قیمت** ۴ر

تفسیر سورۂ کوثر

استاذ امام مولانا فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ کوثر کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں کوثر کی تحقیق خانہ کعبہ کی روحانی حقیقت اور نماز اور قربانی کے اسرار و حقائق پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت جاذب نظر تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ حجم ۲۳ صفحے۔ **قیمت** ۸ر

جلد ۴ | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۹ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

شذرات	امین احسن اصلاحی	۲ - ۷
معارف قرآن		
تفسیر سورہ ذاریات	استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ	۸ - ۱۷
اقسام القرآن	" " " "	۱۸-۲۶
مذاکرہ		
"ہمارے علماء کے فقہی اختلافات"	امین احسن اصلاحی	۲۷-۴۸
مقالات		
تبلیغ اور پروپگنڈا	جناب مولوی حافظ عبداللہ صاحب اصلاحی	۴۹-۵۳
حکمت مغرب		
مارکس اینجلس کے خیالات	جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم ، اے	۵۴-۵۶
تنقید و تبصرہ	ع ۔ ن	۵۷-۶۴

شذرات

دارالاقامہ کی تعمیر نئے دارالاقامہ میں کام برابر جاری ہے۔ چھت پٹ گئی، اب اندر کے حصہ میں پلاسٹر ہو رہا ہے۔ اور کام جس استقلال اور سرگرمی کے ساتھ ہو رہا ہے اس سے توقع ہوتی ہے کہ انشاء اللہ بہت جلد ختم ہو جائے گا۔

اخلاص کا حال تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے مگر فقر ہمیشہ سے اس مدرسہ کی خصوصیات میں رہا ہے۔ اور اسی فقر کے اندر اس کے تمام کام ہوتے رہے ہیں۔ اگر اس کے منتظمین بجٹ بنا کر کام کرنے کے عادی ہوتے تو شاید آج تک ایک جھونپڑا بھی اس میدان میں وہ کھڑا نہ کر سکتے۔ خود اس عمارت کی تعمیر کے لئے ظاہری حالات کے اعتبار سے یہ زمانہ کسی طرح موزوں نہ تھا۔ اولاً تو منتظمین طرح طرح کی مالی شکلوں میں پہلے سے گرفتار تھے۔ دوسرے نہ ضلع کے مسلمانوں کی مالی حالت اسوقت اچھی تھی نہ باہر کے مسلمانوں سے استعانت کا کوئی موقع تھا۔ اس مدرسہ کی زیادہ تر مدد بمبئی، رنگون، اور ملایا کے پردیسی کرتے ہیں۔ اور ان تمام مقامات کا آج جو حال ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہے لیکن ان حالات پر نظر ڈالے بغیر منتظمین نے اس عمارت کی نیو ڈال دی اور پھر کام کرا دھر میں نہیں چھوڑا ہمت کر کے اس کو قریب قریب تکمیل تک پہنچا دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہ

اس عمارت کی وجہ سے جو جو آزمائشیں پیش آئی ہیں ان سب کو بیان کرنا کچھ ضروری نہیں۔ اگر ان کے کڑوے گھونٹ حلق سے اتر گئے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور اگر کچھ اور

گھونٹ باقی ہیں تو جس خدا نے ابتک ہمت کو سہارا اور ارادہ کو استقلال بخشا ہے۔ بس اسی کی نصرت فرمائی غیب پر بھروسہ ہے کہ وہ ہر مشکل کو آسان کرے گا۔

مدرسہ کے اساتذہ و طلبہ اور ملازمین نے اس عمارت کی وجہ سے جو تکلیفیں اٹھائیں اور جو ایثار کیا وہ خود اپنی جگہ پر ایک مستقل داستان ہے۔ مگر اس داستان کی اصلی قدر و قیمت اس میں ہے کہ بیان نہ کی جائے۔ ہاں اگر اس ایثار میں اخلاص ہے تو اللہ تعالیٰ اس اخلاص کا صلہ آخرت میں دے گا اور ان شاء اللہ آیندہ نسلیں ان خدمتوں کی قدر کریں گی۔

بہرحال یہ عمارت خدا نے چاہا تو بن کے رہے گی۔ اب اس کی تکمیل کی طرف سے قلب یکسو ہو چکا ہے۔ اسوقت منتظمین کے سامنے سب سے زیادہ اہم سوال اس بار کا ہے جو اس عمارت کی وجہ سے مدرسہ پر ہو گیا ہے۔ جب تک وہ اس بار سے بالکل سبکدوش نہ ہو جائیں اسوقت تک ان کو اس عمارت کی تیاری سے سچی خوشی نہیں ہو سکتی۔ اس سے سبکدوش ہونے کے لئے منتظمین نے جدوجہد شروع کر دی ہے اور انشاء اللہ ان کی تمام کوششوں کی طرح یہ کوشش بھی کامیاب رہے گی۔ الاصلاح اس سعی میں کارکنوں کے ساتھ ہے اور مدرسہ کے جن ہمدردوں تک اس کی آواز پہنچتی ہے ان سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کام میں مدرسہ کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں۔

مدرسۃ الاصلاح کے تمام چھوٹے بڑے کام اب تک صرف قوم کے چھوٹے چھوٹے عطیوں سے انجام پائے ہیں اور ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ نے قوم ہی کے ہاتھوں اس کی زندگی اور بقا کا سامان کرایا ہے۔ ہم آج بھی انہی توقعات پر یہ سطریں لکھ رہے ہیں۔ انشاء اللہ رائگاں نہ جائیں گی۔

دائرۂ حمیدیہ کے کام

الاصلاح کی اشاعت اس سال نہایت غیر منظم رہی ہے جس کا نہایت افسوس ہے۔ مگر حالات پر کس کو اختیار ہے! الاصلاح پریس ایک دیہات میں ہے۔ اگر پریس کا ایک آدمی بیمار ہوا یا کاغذی نے کاغذ بھیجنے میں کسی وجہ سے تاخیر کی یا کوئی اور رکاوٹ پیش آئی تو آس پاس سے کسی فوری مدد کا حاصل کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مشکل دس مشکلیں پیدا کر دیتی ہے اور ایک آدمی کی بیماری یا غیر حاضری پورے کارخانہ کو معطل۔ ان حالتوں پر رفقاء نے بار بار غور کیا لیکن وہ اس کا کوئی حل نہیں پا سکے۔ الاصلاح کے خریدار بالعموم ان باتوں سے ناواقف ہیں اس لئے تاخیر اشاعت سے قدرتی طور پر وہ جھنجھلاتے ہیں، شکایتیں لکھتے ہیں اور بعض نصیحت و ملامت پر اتر آتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کی ملامتیں اور نصیحتیں ہمارے غم میں اضافہ کے سوا اور کوئی فائدہ ہم کو نہیں پہنچا سکتیں۔ اور ہم خاموش رہتے ہیں کہ جب معاملہ کرتے وقت ہم نے اپنی کوتاہیوں کے لئے خریداروں سے کوئی معافی نامہ نہیں لکھوا لیا ہے تو یقیناً ان میں سے ہر شخص کو نکوہش و ملامت کا حق ہے اور جب تک ہم ان ابتریوں کی اصلاح نہ کر سکیں، تمام انکار کے ساتھ یہ زہر کے گھونٹ بھی پینے پڑیں گے۔

پس وہ تمام کوتاہیاں جو الاصلاح کی اشاعت میں ہو رہی ہیں ان پر اپنی طرف سے ہم انتہائی رنج و افسوس اور خجالت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود کوئی وعدہ نہیں کر سکتے کہ ان کو دور کرنے کے قابل ہم کب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم جلد اس قابل ہو جائیں اور ہماری دلی خواہش یہی ہے لیکن سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق و کارسازی پر بھروسہ ہے۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ ان اللہ کان علیما حکیما۔

الاصلاح کی اشاعت کے چوتھے سال کے بھی ۶۔ ۷ مہینے گذر گئے۔ یہ آزمائشی مدت کی آخری فرصت ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس سال بھی کم و بیش چھ سو روپیے کا خسارہ بھرنا پڑے گا۔

ایسی حالت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ الاصلاح کا جاری رکھنا قرین مصلحت ہے یا نہیں؛ معلوم نہیں چند مہینوں کے بعد اس مسئلہ کا کیا فیصلہ ہو، مگر میں ہر فیصلہ پر راضی ہوں۔ اس رسالہ کا مقصد قرآن کے فہم و تدبر میں مسلمانوں کو مدد دینا ہے۔ اگر لوگوں میں اس متاع عزیز کی قدر ہے اور خدا کی نظر میں اس کی یہ حقیر خدمت لائق قبول ہے تو یہ جاری رہے گا اور میں اور میرے رفقاء بغیر کسی آرزوئے ستائش و تقاضائے صلہ کے اس کے انہماک کو عبادت سمجھیں گے لیکن اگر لوگوں میں اس چیز کی طلب نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کام کا اس سے زیادہ جاری رہنا مطلوب نہیں ہے تو وہی ہو جو اس کی مرضی ہے ہم اس کی مرضی پر راضی اور شاکر ہیں۔

الاصلاح کے پڑھنے والوں اور اس کے قدر دانوں میں سے جن لوگوں کو الاصلاح کے مستقبل سے ہمدردی ہے وہ اگر پسند کریں تو اس کی توسیع اشاعت میں کوشش کریں۔ ان سب کی مجموعی سعی سے اگر ڈیڑھ سو خریدار مزید پیدا ہو جائیں تو الاصلاح بغیر تردد کے جاری رہ سکتا ہے۔ باقی الاصلاح کی صورت و سیرت میں کوئی ایسی تبدیلی جس کی وجہ سے عوام میں مقبول ہو سکے اب تک سمجھ میں نہیں آئی اور اگر اصل مقصد کو بغیر نقصان پہنچائے کوئی ایسی صورت سامنے آ جائے تو ہم کو اس کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں لیکن اس مقصد کو چھوڑ کر اگر الاصلاح کونین کی دولت بھی حاصل کرے تو ہماری نظر میں بجوے نمی ارزد۔ واللہ علی ما نقول شہید۔

کسی اشاعت میں استاذ امامؒ کی عربی تالیف کتاب الاسالیب کی طباعت کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب کے لئے ایک شخص نے روپیہ دیا ہے۔ اب اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہ گئی تھی لیکن الاصلاح پریس (جو ایک چھوٹا پریس ہے) گرمیوں میں کام اچھا نہیں کرتا۔ اور کتاب کا اہتمام

تقاضی تھا کہ یہ زیادہ سے زیادہ صاف ستھری چھپے۔ چنانچہ گرمیوں میں اسکی طباعت ملتوی کردی گئی تھی۔ اور اب برسات میں یہ پریس کے حوالہ کی جارہی ہے۔

اسی کے ساتھ مولانا کی اصول تاویل اور مفردات القرآن بھی چھاپ دیجائینگی۔ مؤخرالذکر قرآن کے ان خاص خاص الفاظ پر مشتمل ہے جن کے باب میں مولاناؒ کی تحقیق عام مفسرین و ارباب تاویل سے الگ ہے۔ اسکی ترتیب میں بعض دقتیں تھیں۔ مولوی اختر احسن صاحب آج کل اسی پر محنت کررہے ہیں۔ انشاءاللہ وہ جلد کام ختم کرلیں گے۔ پھر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے ملاحظہ کے بعد کتاب کتابت کے لئے دیدیجائیگی۔ چونکہ مولاناؒ کی قرارداد ترتیب کے مطابق مفردات القرآن، کتاب الاسالیب، اصول تاویل ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اس لئے ان سب کی اشاعت یکجا مناسب معلوم ہوئی۔

"ہندوستانی" حکومت بہار نے ہندی اردو کی نزاع کیلئے ایک راہ مفاہمت تلاش کرنے کی غرض سے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس کے کاموں کی بابت محکمہ اطلاعات عامہ حکومت بہار کی طرف سے ہم کو ایک طویل مراسلہ موصول ہوا ہے۔ اسمیں کمیٹی کے کاموں کی بابت جو معلومات درج ہیں اسکے ضروری اقتباسات درج ذیل ہیں۔

کمیٹی کے متفقہ فیصلہ میں ہندوستانی کی تشریح یہ ہے:-

"ہندوستانی زبان وہی ہے جو شمالی ہندوستان کے ہر بازار میں بولی جاتی ہے ہر اسٹیشن پر بھی بولی جاتی ہے اور ہر گوشہ میں عام طور پر مروج ہے۔ وہ زبان جو ہندی اور اردو مصنفین کے زور قلم کا نتیجہ ہے بلکہ وہ بولی جو شمالی ہند کے ہر شہری کے زبان پر چڑھی ہوئی ہے اور جسے وہ غیر ارادی طور پر بولتا اور سمجھتا ہے۔"

اصطلاحات فن کے پیچیدہ مسئلہ کو سلجھانے کے لئے کمیٹی کی پالیسی یہ ہے:-

(۱) "ہندوستانی کیلئے فنی اور علمی مصطلحات مروجہ بول چال سے اخذ کئے جائیں اور جہاں تک ممکن ہو عربی، فارسی اور سنسکرت کے الفاظ سے پرہیز کیا جائے۔

(۲) جہاں یہ ممکن نہ ہو وہاں انگریزی زبان سے مصطلحات قرض لیکر انھیں اپنانے کی کوشش کی جائے۔

(۳) اگر مذکورہ بالا صورتوں میں بھی دشواریاں ہوں تو تیسری صورت یہ ہے کہ تحریروں میں عربی اور سنسکرت کے مصطلحات پہلو بہ پہلو لکھدیے جائیں۔ ...... آگے چلکر "تنازع للبقاء" اور "بقائے اصلح" کے اصول کے تحت وقت اس نزاع لفظی کا خود فیصلہ کردے گا۔"

"کمیٹی نے اس سلسلہ میں دو ہزار انگریزی مصطلحات اور ان کے ہم معنی ہندی اور اردو الفاظ کی ایک فہرست مرتب کرکے ملک کے مشہور زبان دانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ ان کے مقابل میں خالص ہندوستانی الفاظ مہیا کریں .... اور اعزازی تنخواہ پر چند زبان دانوں کی خدمات بھی حاصل کرلی ہیں۔

...... یہ کام ۱۹۳۹ء کی آخری تاریخوں تک تکمیل کو پہنچ جائے گا۔"

ہندوستانی ڈکشنری کے متعلق کمیٹی کا کارنامہ یہ ہے۔

"ہندوستانی ڈکشنری کی ترتیب کی خدمت ملک کے مشہور ادیب و زبان دان مولوی عبدالحق صاحب کے سپرد کی گئی ہے۔ اور ہم اسکالروں کو ماہانہ اجرت پر ان کا اسسٹنٹ مقرر کیا گیا ہے ...... اس لغت میں سنسکرت کے وہ تمام الفاظ جنھیں اردو مصنفین نے استعمال کیا ہے اور عربی فارسی کے وہ تمام الفاظ جنھیں ہندی کے مصنفین استعمال کرتے آئے ہیں موجود ہوں گے۔ یہ طے پایا ہے کہ مولوی صاحب موصوف ڈکشنری کے مرتب شدہ حصوں کو ڈاکٹر تاراچند کے پاس بھیجتے جائیں اور وہ اس پر اپنے دوسرے رفقائے کار کی مدد سے نظر ثانی کرتے جائیں۔ مولوی صاحب نے ڈکشنری کا ایک حصہ مرتب کرکے کمیٹی کے پاس پیش بھی کیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ کمیٹی نے انکی ترتیب کی بنیادوں کو بہت پسند کیا ہے۔"

"ہندوستانی گرامر کی تالیف کا کام بھی ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر تاراچند ہی کے سپرد کیا گیا ہے۔"

درسی کتابوں کے متعلق کمیٹی کی پالیسی یہ ہے:-

"کمیٹی جلد سے جلد اس سلسلہ کی معیاری کتابیں بھی پیش کرے گی۔ مصنفین کو مدعو کیا گیا ہے کہ وہ ہر سبجکٹ پر

بہتر سے بہتر کتابیں کانگریس کمیٹی کے سامنے پیش کریں۔ منظور شدہ کتابوں کے لئے معقول انعامات کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔"

اردو اور ہندی کو تدریجاً ہندوستانی کی طرف لانے کے لئے یہ راہ اختیار کی گئی ہے۔

"ابتداءً چونکہ یہ ناممکن تھا کہ ایک ہی کتاب دونوں رسم الخط کے پڑھنے والوں کے لئے معین کردیا جائے اس لئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ ابتداءً اردو ریڈروں میں چند صفحات سہل ہندی ادب کے ہوں اور اسی طرح ہندی ریڈروں کا ایک حصہ سہل اردو ادب پر مشتمل ہو۔ اس کے علاوہ ان کتابوں کے چند صفحات خالص ہندوستانی ادب میں بھی ہوں۔ اردو ریڈروں کی ترتیب کا کام جامعہ ملیہ دہلی اور ہندی ریڈروں کی ترتیب بہار ہندی ساہتیہ سمیلن کے سپرد کی گئی۔"

کمیٹی کی یہ کوششیں قابل تعریف اور ملک کے شکریہ کی مستحق ہیں۔ مگر زبان کے معاملہ میں مسلمانوں کی شکایات عموماً کانگریس اور اس کی بنائی ہوئی کمیٹیوں کی تجاویز سے نہیں ہیں کانگریسی ہندوؤں کے طرز عمل سے ہیں اور اس مشکل کا نہ صرف یہ کہ کوئی علاج نہیں ہو سکتا بلکہ جو لوگ علاج کر سکتے ہیں وہی اس مرض کو بڑھانے میں سرگرم ہیں۔ ضرورت ہے کہ کانگریس اور کانگریسی گورنمنٹیں ایمانداری کے ساتھ اس مرض کا علاج کریں۔ اور اپنی باتوں کو خود اپنے منہ سے نہ جھٹلائیں۔

خریداروں کو دفتر سے خط و کتابت کرنے میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔

معارف قرآن

تفسیر سورۂ ذاریات

(۲)

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ

ابر و ہوا سے جزا پر استشہاد کی وجہ

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا .... فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔ میں ہوا کو شہادت میں پیش کیا ہے اور وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ میں سرما کے ان بادلوں کو جو کڑک اور دمک کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ انذار و تخویف کے لئے کافی ہیں پس ان سے اس غفلت و غرور اور اختلاف و اعتراض کی شناعت ظاہر ہوتی ہے جس میں یہ لوگ سرمست ہیں۔

ٹھیک یہی حال عاد کا تھا

قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا	بولے یہ بادل ہے جو ہم پر برسنے والا ہے، بلکہ
بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ	یہ وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی مچائے ہوئے تھے
فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ	ہوا جس کے اندر دردناک عذاب ہے۔

عذاب الٰہی آ چکا تھا اور اس کے آثار انھوں نے بادلوں کے تہ بہ تہ ٹکڑوں میں دیکھ لئے تھے لیکن اس کے باوجود آنکھیں نہیں کھلیں۔ اس وجہ سے کوئی [illegible] چاہئے۔

یہ دونوں شہادتیں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نہایت کھلی ہوئی نشانیوں کی شہادتیں ہیں۔ ہواؤں اور بادلوں کے تصرفات عجیب عجیب ہیں۔ کبھی ہوائیں اٹھتی ہیں، بوجھل بادلوں کے مشک اپنی پیٹھوں پر لادتی ہیں۔ اور ان کو چٹیل میدانوں میں لے جا کر تمام دشت و چمن کو سیراب کر دیتی ہیں۔ کبھی سمندروں میں سامان سے بھری ہوئی کشتیوں کو کھیتی ہیں جن سے معیشت اور زندگی کے بے شمار فوائد ظہور میں آتے ہیں۔ کبھی ریگستانوں سے حاصب بنکر ابھرتی ہیں اور آباد بستیوں کو ریگ اور پتھروں سے ڈھک دیتی ہیں۔ کبھی صرصر بنکر اولے اور کڑک کے عذاب کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ کبھی طوفان بنکر سیلاب انگیز بارش لاتی ہیں اور سمندروں میں ہیجان پیدا کر دیتی ہیں۔ ہواؤں اور بادلوں کی یہی مختلف حالتیں ہیں جن کو قرآن نے تقسیم امور سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور اس کے تسخیر و تصرف کی ایک عجیب شان ہے کہ وہ ایک قوم کے لئے کبھی ہوا کی تندی اور شدت کو نجات کا ذریعہ بنا دیتا ہے اور کبھی اس کی نرمی اور لینت سے اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس کی بہترین شہادت فرعون کے قصہ میں موجود ہے جس کی تفصیل آگے آئیگی۔

اسی طرح کبھی ایک ہی چیز رحمت اور نقمت دونوں ہوتی ہے۔ اہل ایمان کے لئے اس میں برکتیں اور خاصیتیں ہوتی ہیں اور منکرین کے لئے قہر و غضب۔ اور یہ چیز خدا کی رحمت اور اس کے قہر کو اس طرح تقسیم کرتی ہے جس طرح ایک عاقل فرق و امتیاز کے ساتھ ایک چیز کو تقسیم کرتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی بات زبور ۱۴۷: ۱۵ - ۱۸ میں ہے۔

"وہ اپنا حکم زمین پر بھیجتا ہے

اس کا کلام نہایت تیز رو ہے

وہ برف کو اون کی مانند گراتا ہے

اور پالے کو راکھ کی مانند بکھیرتا ہے

وہ یخ کو ٹکڑوں کی مانند پھینکتا ہے

اس کی ٹھنڈ کون سہہ سکتا ہے؟

وہ اپنا کلام نازل کر کے ان کو پگھلا دیتا ہے

وہ ہوا چلاتا ہے اور پانی بہنے لگتا ہے۔

اس عبارت میں دیکھو، ہوا کو کلمۂ رب (حکم خدا) سے تعبیر کیا ہے اور یہ ایک لطیف ترین اسلوب تعبیر ہے کیونکہ عبرانی میں ہوا اور کلام دونوں کے لئے ایک ہی لفظ ہے۔ قرآن مجید کی ایک ہی جامع آیت میں یہ ساری باتیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ	دن کی گردش اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں
الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ	لوگوں کے نفع کی چیز لیکر چلتی ہیں اور اس
وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ	پانی میں جو خدا نے آسمان سے اتارا پس اس
مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا	سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا
وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ	اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے
الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ	اور ہوا کی گردش میں اور بادلوں میں جو
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ	آسمان و زمین کے درمیان مسخر عقلمندوں کے لئے
يَعْقِلُونَ	نشانیاں ہیں۔

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے یعنی اس میں نشانیاں ہیں توحید، قدرت، ربوبیت، رحمت، اور حکمت اور عدل پر۔

الغرض ہواؤں اور بادلوں کی ایسی گردش جس میں عام خلق الٰہی کے لئے بہبود اور خاص خاص جماعتوں کے لئے ضرر ہو اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کارخانۂ خلق بالکل بے مقصد اور بے نظام

نہیں چل رہا ہے۔ یہ ہوائیں برے اور بھلے کے درمیان امتیاز کرتی ہیں، ایک قوم کے لئے عذاب بنکر نمودار ہوتی ہیں، دوسری کے لئے رحمت بنکر۔ پس یقیناً یہ سارا کارخانہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کے مطابق چل رہا ہے۔

نیز اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطہ اور قابو میں ہے یہاں تک کہ ہوا جو ایک بے سمجھ بوجھ کی مخلوق ہے وہ بھی خدا کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتی اور اس کی حرکت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کے ظہور کی بشارت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اللہ کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی فوجیں

ہواؤں کے یہ عجائب تصرفات اس امر پر بھی دلیل ہیں کہ غلبہ و نصرت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جماعت کے لئے ہے۔ یہ ہوائیں بشارت اور انذار کے ساتھ نمودار ہوتی ہیں۔ اس کی وضاحت سورہ والصّٰفّٰت میں ملتی ہے، جس کے شروع میں خدا نے اپنی افواج کی قسم کھائی ہے اور پھر فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا
الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ

اور ہمارا حکم پہلے ہو چکا ہے اپنے فرستادہ بندوں
کے لئے کہ وہی فتحمند ہوں گے اور ہماری ہی
فوج غالب ہونیوالی ہوگی۔

پھر یہ سب امر جزا کی نہایت واضح دلیل ہیں۔ یہاں ان اجمالی اشارات پر بس کرتے ہیں۔ آگے چلکر جب ہم ان قوموں کے حالات بیان کریں گے جو ہواؤں کے تصرفات سے تباہ ہوئی ہیں تو وہاں ان ہواؤں اور بادلوں کی گوناگوں نیرنگیاں تمھارے سامنے آئیں گی۔

(۴) ان آیات کا تعلق ماقبل اور مابعد سے

ہواؤں کی شہادت، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، رحمت اور عذاب دونوں کی جامع ہے۔ سورۂ مرسلٰت کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ قرآن نے اس کے نفع کے پہلو کو اکثر مقامات میں بیان فرمایا ہے اور کہیں کہیں اس کے عذاب کے پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کی باگ ایک صاحب حکمت و قدرت کردگار کے ہاتھ میں ہے۔ پس معاملہ کی اس حقیقت کے لحاظ کر مناسب ہوا کہ اس شہادت کے بعد ایسا قول آئے، جو رحمت و عذاب دونوں کو عام ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ انما توعدون لصادق ، وان الدین لواقع (جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سچ ہے اور جزا واقع ہو کے رہے گی) اور وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ (دھاریوں والے آسمان) کی شہادت میں انذار کا پہلو غالب تھا۔ بلکہ موسم سرما کے سرخ سرخ اور تہ بہ تہ بادلوں کی صورت ہی سرتا سر زجر و تہدید ہے۔ اس لئے مناسب ہوا کہ اس کے بعد مذاق اڑانے والوں اور عذاب کیلئے جلدی مچانے والوں کا ذکر آئے۔ پھر چونکہ یہ وعدہ اور جزا کے ایک ہی پہلو کا بیان تھا، اس لئے مناسب ہوا کہ اس کے بعد اس کا دوسرا پہلو بھی بیان ہو۔ یعنی منکرین کے انجام کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے صبر و تقویٰ کا ثمرہ بھی بیان کر دیا جائے۔ یہ بات قرآن مجید کے عام اسلوب کے لحاظ سے بھی ضروری تھی۔ قرآن مجید میں ترہیب کے ساتھ ترغیب، اور ایک شے کے ساتھ اس کے مقابل کا بیان بالعموم ہوتا ہے۔ پس چونکہ یہاں نافرمانوں کا اور ان کی بعض خصوصیات کا ذکر ہوا تھا اس لئے ان کی مقابل جماعت اور اس جماعت کی بعض نمایاں خصوصیات کا بھی بیان ہوا۔ اور کنایۃً گویا یہ بات واضح کر دی گئی کہ یہ منکرین نیکوکاروں کی خصوصیات سے بمراحل دور ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (۱۵) اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ

كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ (۱۶) كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (۱۷) وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۱۸) وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۱۹)

پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ لیتے ہوں گے جو بخشا ہے ان کو ان کے پروردگار نے۔ بے شک وہ اس سے پہلے نیکوکاروں میں تھے۔ راتوں کو کم سوتے تھے۔ صبح کے وقتوں میں مغفرت مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں سائل اور بے زبان محتاج کا حق تھا۔

الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی تاویل

(از آیت ۱۵ — ۱۹)

المتقین ایک جامع اور امتیاز قائم کرنے والی صفت ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ یہاں موقع و محل کے اشارہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اوپر کی آیات میں منکرین کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں، یہ جماعت اس کی ضد صفات سے متصف ہے۔

فی جنت وعیون مسرت و کامیابی کی تعبیر ہے۔ یعنی ہمیشہ نعمت و فراغت میں رہیں گے۔

اخذین حال واقع ہے اور اس کے حال ہونے میں ایک خاص خوبی ہے۔ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ یہ نعمت ان کے لئے ہمیشہ باقی رہے گی۔ اگر اخذین واما اتاھم ہوتا تو یہ خوبی نہ پیدا ہوتی۔ سابق جملہ میں دوام نعمت کا مضمون نہایت واضح طور پر ہے پس اس کے حال ہونے کی صورت میں کھلا ہوا مطلب ہوگا کہ وہ برابر باغوں، چشموں، اور اپنے پروردگار کی بخششوں ہی میں رہیں گے۔

انھم کانوا یہ وصف ہے لیکن موقع میں دلیل کے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منکرین کے صفات اس کے بالکل خلاف ہیں۔ قرآن مجید میں اس اسلوب کی مثالیں بہت ہیں۔ اس جملہ میں التفات کی شان ہے اور "ذوقوا فتنتکم" کے مشابہ ہے۔ گویا قیامت کا دن

آ چکا ہے۔ اور دنیا میں یہ لوگ جن صفات و فضائل سے متصف تھے ان کا بیان ہو رہا ہے۔

محسنین عام ہے لیکن نماز اور زکوٰۃ چونکہ زیادہ اہم اور مقدم ہیں اور ان دونوں کو اہل ایمان کی ایک ممیز خصوصیت قرار دیا گیا ہے اس لئے ان میں اس کا پہلو زیادہ نمایاں ہوگا۔ چنانچہ بعد کی آیتوں میں ان لوگوں کی شب بیداری اور فیاضی کا ذکر بھی ہے۔

کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون ہجوع کے معنی سونے کے ہیں۔ یعنی وہ شب میں ذکر الٰہی اور نماز میں مشغول رہتے تھے۔ بستر راحت پر آرام نہیں کرتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ	ان کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں۔ وہ اپنے
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا	پروردگار کو یاد کرتے ہیں، خوف اور طمع کے ساتھ اور جو کچھ
وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ	ہم نے انہیں روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سورہ مزمل میں فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا	اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو کھڑا ہو مگر تھوڑا حصہ۔

یہ جملہ ان کے محسن ہونے کا بیان ہے۔ اس کی تالیف کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں لیکن مطلب ہر صورت میں ایک ہی ہوگا۔ ایک شکل یہ ہے کہ انھم کانوا قلیلا ھجوعھم (ان کا شب میں سونا تھوڑا تھا) دوسری شکل یہ ہے کہ کانوا قلیلا ما یھجعون فیہ من اللیل۔ (شب میں ان کے سونے کا حصہ تھوڑا تھا) ایک تیسری شکل یہ ہے کہ وکانوا یھجعون قلیلا من اللیل۔ (رات کو وہ تھوڑا سوتے تھے۔) باقی وہ پہلو جس کا امام رازیؒ نے ذکر فرمایا ہے یعنی انھم کانوا قلیلین وانھم لا یھجعون من اللیل (وہ تھوڑے تھے اور شب میں سوتے نہیں تھے) ہمارے نزدیک حقیقت سے بہت دور اور ناقابل توجہ ہے۔

وبالاسحار اسفار سے کچھ پہلے کا وقت سحر کا وقت ہے اور یہی وقت استغفار کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہے۔ ایک جگہ متقین کی تعریف میں فرمایا ہے الصّٰبرین والصدقین والقٰنتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار۔ صحیح احادیث میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ ہم نے تفسیر سورۂ آل عمران میں اس کا سبب بتایا ہے۔ حضرت حسن نے "وبالاسحار" کے "واؤ" سے ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ " و " متقین کی دونوں صفتوں کے اتصال کی دلیل ہے گویا وہ نماز میں ایسا مستغرق اور منہمک ہوتے ہیں کہ سحر کے استغفار کا وقت آجاتا ہے۔ آیت کے لفظوں کا ظاہر مطلب تو یہ نہیں ہے لیکن نکتہ لطیف ہے۔

المحروم سائل کے بعد اس لفظ کا آنا اس کے معنی پر روشنی ڈالتا ہے۔ یعنی وہ شخص جو غربت کے باوجود لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ قتادہؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "وہ مسکین جو لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے"۔ زہری فرماتے ہیں کہ "محروم کے معنی متعفف کے ہیں"۔ ان حضرات کی نظر غالباً اس آیت پر ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (بقرہ)

ان محتاجوں کیلئے جو خدا کی راہ میں گھر گئے ہیں زمین میں تلاش معاش کیلئے نقل و حرکت نہیں کر سکتے، جاہل ان کو ان کی خودداری کے باعث غنی سمجھتا ہے مگر تم ان کو ان کی پیشانی سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔

(۶) ان آیتوں کا نظم، ان کی دلالت اور ماقبل و مابعد سے تعلق

مقابلہ کے اصول پر کافروں کے ذکر کے بعد اہل ایمان کا بھی ذکر فرمایا۔ اور بلاغت ایجاز سے کلام کے وہ بہت سے پہلو واضح کر دیے ہیں جو مذکور نہیں ہیں۔ منکرین کی بابت فرمایا ہے کہ وہ غفلت کی مدہوشی میں ہیں۔ اس سے یہ بات خود بخود نکل آئی کہ اہل ایمان کے سامنے روز جزاء کے متعلق یقین و بصیرت کی پوری روشنی ہے اور وہ اس دن کے انتظار میں برابر جاگ رہے ہیں اور یہ سارا مضمون صرف ایک لفظ "متقین" سے سامنے آگیا کیونکہ تقوی بصیرت کی اصل ہے۔ اس پر پوری بحث اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ اسی طرح متقین کے لیے جو صفتیں بیان کی ہیں۔ ان میں احسان، نماز، اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا جس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہو گئی کہ منکرین بخیل اور سخت دل ہیں۔ جیسا کہ ایک مقام میں بتصریح کے ساتھ موجود ہے۔ قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین۔ کہیں گے نہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے تھے اور نہ مسکین کو کھلاتے تھے۔ یہ آیتیں جو "انکم لفی قول مختلف" کے بعد سے شروع ہوتی ہیں اور "حق للسائل والمحروم" پر ختم ہوتی ہیں۔ بطور جملہ معترضہ جزاء کی دلیلیں بیان ہونے کے بعد آگئی ہیں۔ پہلے منکرین کو جھڑکی دی ہے اور اس کے بعد ان کی مقابل جماعت کا ذکر کر کے ترہیب و ترغیب کے دونوں پہلو جمع کر دیے ہیں۔ پھر اس سے فارغ ہو کر اصل عمود کی بات (یعنی جزاء کا اثبات) شروع ہو گئی ہے اور یہاں جملہ کا جوڑ "واؤ" سے ملایا تاکہ واضح ہو جائے کہ اوپر جو قسمیں گذری ہیں ان میں جزاء کے دلائل و شواہد موجود ہیں۔ فرمایا

وفی الارض اٰیٰت للموقنین (۲۰) وفی انفسکم افلا تبصرون (۲۱) وفی السماء رزقکم وما توعدون (۲۲) فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون (۲۳)

(باقی)

اقسام القرآن

(۳)

قسم کیلئے مقسم بہ کوئی ضروری چیز نہیں

مشہور الفاظ قسم کی تشریح

۔ اللہ اور اس کے شعائر کی قسم مفرد اور بسیط معانی و مفاہیم میں سے نہیں ہے کہ اس کیلئے شروع ہی سے مستقل الفاظ وضع ہو کر استعمال میں آتے۔ یہ چیز تو معاشرتی ضروریات اور دینی عقائد کے تالیف و امتزاج سے پیدا ہوئی ہے۔ پس یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جہاں کہیں مقسم بہ مذکور نہ ہو وہاں ہم یہ خیال کر لیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور وہ مقدر ہے۔ تعظیمی اقسام پر ہم دسویں فصل میں بحث کریں گے وہاں ان کی اصلی نوعیت پوری طرح واضح ہو جائے گی

اس فصل میں ہم ان الفاظ کے معانی کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جو قسم کے لئے عام طور پر مستعمل ہیں اور مقصد یہ دکھانا ہے کہ یہ الفاظ اصلاً اللہ تعالیٰ یا اس کے شعائر یا کسی خاص چیز کی قسم کے لئے نہیں وضع ہوئے تھے۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

یمین، نذر، الیۃ، قسم، حلف۔

"یمین" کی اصل حقیقت، اور قسم کے لئے اس کا عام استعمال، اوپر تفصیل سے ہم بیان کر چکے ہیں اور اس میں رہن، کفالت اور ضمانت کا جو مفہوم ہے اس کی طرف بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

"نذر" کے اصل معنی کسی شے کو دور کرنے اور اس سے بچنے کے ہیں۔ اگر کسی شے کو تم اپنے سے ہٹا کر خدا کے لئے خاص کر دو تو یہ "نذر" ہوئی۔ یہیں سے اس میں کسی شے کو حرام کر دینے کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ عبرانی میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے۔ پھر اپنے اوپر کسی لذت کو حرام کر دینے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اپنے اوپر کسی شے کو بطور قسم لازم کرنے کے مفہوم کے لئے اس میں وسعت پیدا ہو گئی۔

"الیۃ" کے معنی ہیں کسی امر سے کوتاہی کرنا۔ "آلی" اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی شے سے کوتاہ اور عاجز ہو۔ پھر یہ کسی شے کو چھوڑ دینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ یہیں سے یہ غالباً بطور قسم ترک تعلق کے معنی میں منتقل ہو گیا۔ پھر اس میں مزید وسعت پیدا ہوئی اور کسی شے کے لازم کر لینے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ خواہ یہ لازم کر لینا بصورت ترک ہو، یا بصورت اختیار۔ لیکن اس میں غالب پہلو کسی ایسی شے کے لازم کرنے کا ہے جس میں کچھ مضرت کا خوف ہو۔ اس اعتبار سے یہ "نذر" سے مشابہ ہے۔ ابن زیابہ کا شعر ہے۔

آلیت لا ادفن قتلاکم   فدخنوا المرء وسرباله

تم نے قسم کھائی ہے تمہارے مقتولوں کو دفن نہ کروں گا پس آدمی کو اور اس کے کپڑوں کو دھونی دو۔

پھر آہستہ آہستہ اس میں مزید وسعت پیدا ہوئی اور یہ قسم کے مرادف بن گیا، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

"قسم" قسم کے اصل معنی (قطع) کاٹنے کے ہیں۔ قسمت الشئ و قسمتہ اسی معنی میں مستعمل ہیں۔ اور قطع کا لفظ شک و شبہ کی نفی کے لئے عام ہے۔ عربی زبان میں اس کے شواہد بہت ہیں۔ "صریمۃ، جزم، قول فصل، ابانۃ، صدع، قطع وغیرہ الفاظ سب میں یہ حقیقت موجود ہے۔ ایک ہی روح ان تمام الفاظ کے اندر ساری ہے۔ پھر قولاً کسی بات کو قطعی طور پر واضح کر دینے کے لئے لفظ "قسم" ان میں سے مخصوص ہو گیا اور اس کا استعمال باب افعال سے ہوا کیونکہ باب افعال

میں مبالغہ کی خاصیت ہو۔ مثلاً اسفرالصبح۔ اور اس کیلئے مقسم بہ کوئی ضروری شرط نہیں۔ خواہ مقصود بیان خبر ہو یا اظہار عزیمت۔ طرفہ نے اپنے معلقہ میں کہا ہے اقسم بها لتکتنفن (اس کے مالک نے قسم کھائی کہ اسکی [illegible] کی جائے) کلام عرب میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔

جنوب اپنے مشہور مرثیہ میں کہتی ہے۔

فاقسمت یا عمرو لو نبهاک　　اذا نبها منک امراً عضالا

پس میں نے قسم کھائی اے عمرو کہ اگر وہ (بھیڑیے) اسوقت تجھکو جگا دیتے تو تیرا جگانا ان کیلئے غضب ہو جاتا۔

ریطہ سلمیہ کا شعر ہے۔

فاقسمت لا انفک احدا عبرة　　تجود بها العینان منی لتسجما

میں نے قسم کھائی کہ برابر میری دونوں آنکھیں آنسو بہاتی رہیں گی۔

خرنق اخت طرفہ کہتی ہے۔

الا اقسمت اسی بعد بشر　　علی حی یموت ولا صدیق

میں نے قسم کھائی ہے کہ بشر کے بعد کسی مرنے والے اور کسی دوست پر غم نہ مناؤں گی۔

قرآن مجید میں ہے۔

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ　　کیا یہی لوگ ہیں جن کے بارہ میں تم نے قسمیں کھائی تھیں کہ خدا کی رحمت میں ان کیلئے کوئی حصہ نہیں ہے

دوسری جگہ ہے۔

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ　　اور اس نے (ابلیس نے) ان دونوں سے قسمیں کھائیں کہ میں تم لوگوں کے خیرخواہوں میں ہوں

مگر تم کہو کہ ان مقامات میں مقسم بہ اللہ تعالیٰ ہے جو مقدس ہے تو ہم کو احتمال کی حد تک اس سے

انکار نہیں ہے۔ ہم اس کے احتمال کو تسلیم کرتے ہیں، البتہ اگر تم اس کے لازم ہونے کا دعوی کرو تو ہم اس کے منکر ہیں۔ ہمارا دعوی یہ ہے کہ ایسے مواقع میں مقسم بہ کوئی لازمی چیز نہیں۔ اس دعوی کے ثابت کرنے کیلئے اوپر جو دلائل بیان ہوئے وہ کافی ہیں۔ تم دیکھ چکے کہ قسم کبھی اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور کبھی اس کے علاوہ کسی اور چیز کی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سرے سے مقسم بہ ہوتا ہی نہیں۔ ایسے مواقع میں محض تاکید اور عزم کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

'حلف' کے معنی بھی کاٹنے اور تیز ہونے کے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ بالکل لفظ قسم کے مشابہ ہے۔ عربی میں 'سنان حلیف' اور 'لسان حلیف' وغیرہ محاورات عام طور پر مستعمل ہیں۔ ازہری کے نزدیک یہ 'حلفاء' سے ماخوذ ہے، جو ایک تیز نکیلی نبات ہے۔ پس 'حلف علی امر' کا مفہوم بعینہ وہی ہوگا جو 'قطع بامر' کا ہوگا۔ لفظ کی اصل معنوی روح یہی ہے۔ پھر یہ لفظ قسم کی طرح قول میں عزیمت اور پختگی کے اظہار کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اور اسی وجہ سے اس کے لئے مقسم بہ کوئی ضروری شرط نہیں۔ اوپر جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں تم دیکھ چکے ہو کہ باہم دگر جس طرح بھی معاہدۂ موالات و دوستی ہو گیا، فریقین آپس میں حلیف بن گئے، اور ایک دوسرے کو حلیف کہنے لگے۔ ہم ان میں کہیں یہ بات نہیں پاتے کہ فریقین نے کسی متعین چیز کی قسم کھائی ہو۔

اس فصل میں اور اس سے پہلے کی فصلوں میں جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں اس سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ قسم کے لئے سرے سے مقسم بہ کوئی ضروری شرط نہیں ہے۔ اس کی تعظیم و احترام کا پہلو تو الگ رہا، اپنے اس دعوی کے ثبوت میں ہم نے اب تک جن الفاظ قسم سے بحث کی ہے وہ ایسے الفاظ ہیں جو قسم کے لئے عام طور پر مستعمل ہیں۔ اور ان کے اصلی معنی اس مستعمل مفہوم کے مقابل میں بالکل غائب ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہم نے ان سے پہلے بحث کی، لیکن ان کے علاوہ بھی بہت سے الفاظ ہیں جن میں ان کے اصلی معانی کی

رعایت باقی ہے ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت پوری طرح آئینہ ہو جائے گی کہ ان میں مقسم بہ کی تعظیم کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی موجود نہیں ہے۔ آگے کی فصل میں ہم ان الفاظ پر بحث کرتے ہیں۔

قسم کا اصلی مفہوم جبکہ مقسم بہ موجود ہو

۱۰- جو قسم مقسم بہ سے خالی ہو اس کی اصل حقیقت جب تم پر واضح ہو گئی تو مقسم بہ والی قسموں کا سمجھنا تمہارے لئے کچھ مشکل نہیں رہا۔ ان کی حقیقت بس یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے ساتھ اپنے دعویٰ کے گواہ کے طور پر مقسم بہ کو ملا لیتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان قسموں میں جیشتر و، ب، ت وغیرہ کا استعمال ہے۔ جو معیت و صحبت کا مفہوم ظاہر کرنے والے حروف ہیں۔ "و" اور "ب" معیت و صحبت کے مفہوم کے لئے مشہور و متداول ہیں البتہ "ت" کے باب میں تمہیں تردد ہوگا لیکن یہ بھی حقیقت میں "و" ہے جو منقلب ہو کر "ت" بن گئی ہے جس کی مثال تم "تقویٰ" اور "تجاہ" وغیرہ الفاظ میں دیکھتے ہو۔

اوپر ہم نے قسم کی جو تاریخ بیان کی ہے اس سے بھی ہماری اس تاویل کی تائید ہوتی ہے اس میں تم دیکھ چکے ہو کہ قسمیں ہمیشہ علیٰ رؤس الاشہاد ہوتی تھیں اور تمام فریق اپنی قسموں کو موکد کرنے کے لئے موقع پر موجود ہوتے تھے۔ اور اصل مقصد کے اعتبار سے صحیح طرز عمل بھی یہی تھا کیونکہ آدمی اپنے تئیں سب کی نظروں کے سامنے سچا ثابت کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ قرآن مجید سے بھی ہمارے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ انبیاء کے میثاق سے متعلق فرمایا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ	اور جبکہ اللہ نے در بارہ انبیاء میثاق لیا کہ میں نے جو تم کو
لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ	کتاب و حکمت دی، سو جب آئے تمہارے پاس کوئی
ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ	رسول مطابق اس کے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ	ایمان لاؤ اور اس کی مدد کیجو۔ پوچھا کیا
قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ	تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا ذمہ لیا۔ کہا ہم نے
ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا	اقرار کیا۔ کہا بس گواہ رہو اور میں بھی تمہارے
قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم	ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پس جو پھرے
مِّنَ الشَّاهِدِينَ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ	اس کے بعد تو وہی لوگ بد عہد ہیں۔۔
ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ	....

یعنی یہ عہد جو تم سے میں نے باندھا ہے اپنی اور تمہاری موجودگی میں باندھا ہے پس اس سے مکرنا کسی حال میں جائز نہیں اور جو اس عہد کو توڑیں گے وہ بد عہد اور خائن ہوں گے۔

اس طرح کی تاکیدات کا اصلی راز یہ ہے کہ آدمی جب کہتا ہے کہ "اشہد بہ" میں اس کی شہادت دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس کو اپنے علم، واقفیت اور مشاہدہ کی بنا پر کہتا ہوں، صرف دوسروں سے سن کر نہیں کہتا۔ پس ایسی شہادت کے بعد بھی اگر وہ جھوٹ بولے اور مکر جائے تو اس کے لئے کوئی وجہ عذر نہیں ہے۔ اسی بنا پر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا

وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ	اور ہم نے نہیں شہادت دی مگر اس بات کی جو
مَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ	ہم نے جانی اور ہم غیب کے عالم نہیں

قسم میں اس پہلو کا استعمال بہترین شکل میں اس آیت میں پایا جاتا ہے۔

لَّٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ	لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس چیز کی جو تم پر
إِلَيْكَ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ	اتارا، اس کو اتارا اپنے علم سے اور
يَشْهَدُونَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا	ملائکہ گواہ ہیں اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔

اس کے علاوہ شہادت میں تاکید و توثیق کے اور دوسرے نہایت اہم وجوہ بھی موجود ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے کہ آدمی جب یہ کہتا ہے کہ "میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں بات یوں ہے" تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس معاملہ میں اپنا بیان اس ذمہ داری کے ساتھ دے رہا ہے جس ذمہ داری کے ساتھ ایک گواہ کسی معاملہ میں گواہی دیتا ہے۔ گواہی کی ذمہ داریاں ہر شخص کو معلوم ہیں کہ گواہی میں جھوٹ بولنا کس قدر قابل مذمت اور گناہ کی بات ہے۔ تمام شرائع میں صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت آئی ہے۔ تورات کے احکام عشرہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ قرآن نے نیکوکاروں کی جو صفات گنائی ہیں ان میں ایک صفت ان کی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ "والذین لایشھدون الزور" جس کی ظاہر تاویل یہی ہو سکتی ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ "انا اشھد" "واللہ یشھد" اور "واللہ یعلم" وغیرہ الفاظ عام طور پر عربی زبان میں قسم کے لئے مستعمل ہیں اور یہ بات کچھ عربی زبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، مشرق و مغرب کی دوسری قوموں میں بھی عادات و اطوار کے ہزار اختلافات ہوں لیکن جب وہ بولیں کہ "اللہ اس بات پر گواہ ہے"، یا اس کے مشابہ اور ہم معنی کوئی فقرہ ہو تو ان کے ہاں بھی اس کا مطلب قسم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ سیبویہ نے لام قسم کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "افعال میں سے بعض ایسے ہیں جن میں قسم کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے بعد اگر کوئی فعل آئے تو اس کی نوعیت ٹھیک وہی ہوتی ہے جیسی کہ اقسم لافعلن اور اشھد لافعلن میں ہے۔" اس سے اتنی بات بالکل غیر مشتبہ طور پر ثابت ہوتی ہے کہ سیبویہ کے نزدیک 'اشھد' کے معنی قسم کے ہیں اور 'اقسم' اور 'اشھد' بالکل یکساں ہیں۔

اور اس سارے جھگڑے کو قرآن مجید کی ایک آیت چکا دیتی ہے جس میں "شہادت" اور 'شھادۃ' تصریح کے ساتھ قسم کے معنی میں ہے۔ فرمایا ہے۔

اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا	جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں کہتے ہیں ہم گواہی
نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ	دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، اللہ جانتا ہے کہ
اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ	تم اس کا رسول ہے اور اللہ گواہ ہے کہ منافق
يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ	جھوٹے ہیں انھوں اپنی قسموں کو ڈھال
اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا	بنا لیا ہے۔ پس اللہ کی راہ سے رک گئے
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انکی شہادت کو انکی قسم (اتخذوا ایمانہم) قرار دیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری آیت میں بھی تصریح ہے کہ "اللہ کی شہادت" قسم ہے۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ	اور اس سے سزا کو یہ بات دفع کرے گی
تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ	کہ وہ چار قسمیں اللہ کی کھائے کہ وہ جھوٹا
اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ	ہے۔

ایک اور مقام میں ہے۔

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَ	اور وہ اللہ کی قسم کھاتا ہے اپنے دل کی بات پر
هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ	اور وہ شدید ترین دشمن ہے۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شی کی قسم کا مطلب دراصل اس شی کی شہادت پیش کرنا ہے۔ یہاں بقدر ضرورت دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ مزید تفصیل دسویں فصل میں ملے گی۔

رہا مقسم بہ کی تعظیم کا مفہوم تو یہ قسم کے لازمی شرائط میں سے نہیں ہے۔ اس کے عوارض میں سے ہے۔ خاص خاص صورتوں میں یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ آگے اس پر ہم بحث کریں گے۔

قسم کی حقیقت، اور اس کا اصلی مفہوم بیان کر چکنے کے بعد اب ہم قسم کے ان مفاہیم کو

کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو اس اصلی مفہوم کی فروع کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اکرام، تقدیس اور استدلال۔ اور ان کو ترتیب کے ساتھ پیش کریں گے تاکہ اس کے تمام وجوہ اچھی طرح تمہاری سمجھ میں آجائیں اور ان کی رہبری میں تم قرآن کی قسموں پر غور کرکے جو رائے قائم کرو وہ علی وجہ البصیرۃ ہو۔

(باقی)

امعان فی اقسام القرآن

(عربی)

اس کتاب میں اس شبہ کا نہایت تسلی بخش جواب دیا گیا ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں قسمیں کیوں کھائیں؟ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی قسمیں استدلال و شہادت کیلئے ہیں۔ اس کتاب کے متعلق علامہ سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں:۔

"علی گڑھ کے قیام ہی کے زمانہ میں انھوں (مولاناؒ) نے اقسام القرآن لکھی یعنی اس مشکل کا حل فرمایا کہ خدا نے قرآن مجید میں قسمیں کیوں کھائیں؟ اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں جستہ جستہ فقرے لکھے تھے۔ پھر ابن قیمؒ نے التبیان فی اقسام القرآن لکھی۔ مگر مولانا حمید الدین صاحب کی تحقیقات نے اپنی الگ شاہراہ نکالی اور حقیقت یہ ہے کہ اس بارہ میں انہوں نے ایسی داد تحقیق دی کہ تیرہ سو برس میں اسلام میں کسی نے نہیں دی۔ مولانا شبلی مرحومؒ نے ان کے اس رسالہ کا خلاصہ نہایت مسرت و خوشی کیساتھ الندوہ اپریل ۱۹۰۶ء میں شائع کیا اور عربی رسالہ اقسام القرآن کے نام سے الگ شائع ہوا۔ اس کے بعد اسی کو نئی تحقیقات سے مزید کرکے امعان فی اقسام القرآن کے نام سے علی گڑھ میں چھپوایا۔ اس وقت سے لیکر آج تک مختلف مدعیان تحقیق نے اقسام القرآن پر جو کچھ کہا ہے وہ تمام تر مولاناؒ کے خوان علم کی زلہ ربائی ہے۔" اب یہ کتاب مولاناؒ کے مزید اضافہ و نظر ثانی کے بعد نہایت خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے۔ قیمت ۸/

"مینیجر"

مذاکرہ

"ہمارے علماء کے فقہی اختلافات"

الاصلاح چونکہ جمعیۃ علماء کا حامی ہے، اس جرم میں اس کو بہت سے طعنے سننے پڑتے ہیں۔ ابھی ابھی ایک عزیز دوست کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا ہے جس میں موصوف نے الاصلاح کے اڈیٹر کو توجہ دلائی ہے کہ "جس زمین پر وہ "سرپٹ" دوڑ رہا ہے وہ یکسر دلدل ہے۔ علماء کی جمعیۃ ایک بے معنی لفظ ہے۔ علماء میں بے شمار مذہب ہیں اور ہر مذہب ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے، ہر امت کی ایک مستقل کتاب اور ان کے مستقل ائمہ ہیں، ان پراگندہ اور مختلف مذاہب کی پیرو امتوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی آرزو خواب و خیال ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مسلک و مذہب کے پیرو یکجا ہوجائیں گے، گو توقع اس کی بھی نہیں، باقی سب ہمیشہ بدگمان اور الگ رہیں گے۔ پھر اس سعی لاحاصل میں کیوں وقت برباد کیجئے،
.... راہ وہی ہے جس کی طرف ہم بلاتے ہیں .... پس اس تمام ہرزہ گردی سے کیا حاصل .... خیز و در کاسہ زر آب طرب ناک انداز"

یہ خط بالکل ذاتی ہے۔ اور یقیناً صاحب مکتوب کو یہ اندیشہ نہ رہا ہوگا کہ یہ الاصلاح کے صفحات میں معرض بحث میں آئے گا۔ لیکن بعینہ یہی خیال بار بار ہمارے بعض دوسرے احباب بھی اپنے خطوط میں اور بعض زبانی ظاہر کر چکے ہیں جس سے واضح ہے کہ یہ وقت کا ایک عام

سوال ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس معاملہ کی نسبت ہم اپنے خیالات چند لفظوں میں ظاہر کر دیں تاکہ احباب پر واضح ہو جائے کہ ہم اس معاملہ کو کس روشنی میں دیکھتے ہیں۔

ہم ان دوستوں کے اس خیال سے متفق نہیں ہیں کہ چونکہ علما میں اختلافات بہت ہیں کوئی حنفی ہے، کوئی شافعی، کوئی حنبلی ہے کوئی مالکی، کوئی دیوبندی ہے، کوئی بریلوی اور کوئی اہلحدیث ہے اور کوئی اہل قرآن اور ہر جماعت کے الگ الگ ائمہ اور ان کی الگ الگ کتابیں ہیں اور ہر فرقہ اپنے مسلک اور طریق پر جامد اور دوسرے کے مسلک اور طریق سے متنفر ہے اس لئے توقع نہیں کہ کبھی اس منتشر شیرازہ کی تنظیم ہو سکے اور وہ تنظیم مستقبل میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیاد قرار پا سکے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آج یہ سارے فتنے برپا ہیں اور ہندوستان کی گلی گلی میں برپا ہیں اور یہی فتنے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی ساری اجتماعی زندگی کچل ڈالی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ ان فتنوں سے مایوس ہو کر ہم اپنی ترقی کی جد وجہد کی باگ ایک بالکل مادی پروگرام کے ہاتھ میں دے دیں اور مذہب اور مذہبی جماعت کی رہنمائی سے یکقلم محروم ہو جائیں۔ یہ ایک نہایت ہی "شرمناک"، "افسوسناک"، "دردناک" (چاہے جو لفظ اس کے لئے استعمال کیجئے) حالت ضرور ہے اور "دل شکن" اور "مایوس کن" بھی سہی مگر ہر مسلمان کا بشرطیکہ وہ مسلمان ہے یہ فرض ہے کہ وہ اس شرمناک حالت سے مسلمانوں کو نکالنے کی تدبیریں سوچے۔ جو لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور اسلام کے سچے ہونے کے منکر نہیں ہیں وہ اگر اس فتنہ کا علاج صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی بنا پر چند طعن آمیز فقرے لکھ کر یہ مشورہ دیں کہ "یہ مذہب کا ڈھونگ چھوڑ دو" اور "ایک معاشی اور اقتصادی پروگرام کو جو "کلمہ سوا، بینا و جنگم" کی حیثیت رکھتا ہے اختیار کر لو" تو یقیناً ان کی مرعوب اور بزدلانہ ذہنیت اس فتنہ سے زیادہ شرمناک ہے۔ اور ہم کو اس مسئلہ پر غور کرنا پڑتا ہے کہ پہلے کس فتنہ کو ختم کیا جائے۔ اس فتنہ کو جس کی قدامت کی تاریخ کا رشتہ گو فتنہ قتل عثمان سے

بڑا ہوا ہے لیکن شاید وہ اپنی قدامت ہی کی وجہ سے اب آہستہ آہستہ مضمحل ہو رہا ہے یا اس فتنہ کو جس نے یورپ کے سیاسی فلسفیوں کے بطن سے جنم لیا ہے اور اب وہ طلسما کردوس الشیاطین بن کر عقل و انسانیت سب کی غارت گری پر کمربستہ ہے۔

غلط فہمی صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ اس طرح کے فتنے موجود ہیں اس لئے مذہب سے دست بردار ہو جانا چاہئے بلکہ بہتوں کو یہ خیال بھی ہے کہ اس طرح کے فتنوں کا وجود مذہب کی ایک لازمی خصوصیت رہی ہے جو اس سے منفک نہیں ہو سکتی پس مذہب اور مذہبی جماعت کی رہنمائی میں منزل مقصود تک پہنچنا ناممکن ہے۔

یہ غلط فہمی دو چیزوں کا نتیجہ ہے، مذہب اسلام سے عدم واقفیت کا، اور ہمارے علماء کی موجودہ غیر جماعتی اور منتشر زندگی کا۔ اور اصل ان دونوں کی ایک ہے کہ چونکہ ہمارے علما کی زندگی نے بالکل غیر شرعی جامہ اوڑھ لیا ہے اور وہ فتنوں کے سیلاب میں بہ گئے ہیں اس لئے جو لوگ مذہب کا مطالعہ بلا واسطہ نہیں کرتے وہ اس طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہیں اور یہی چیز ہے جو آج الحاد و بے دینی کے تازہ فتنوں کو غذا دے رہی ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ امت اس ورطۂ ہلاکت سے کب نکلے گی اور جمعیۃ علما جس کا نام جب کبھی ہم لیتے ہیں، انہی اچھی آرزوؤں کے ساتھ لیتے ہیں، اس معاملہ میں اس کی رہنمائی کس حد تک سود مند ہوگی!

مذہب اسلام کے متعلق ایک اصولی حقیقت جو ہمارے علماء اور عوام دونوں کو معلوم ہے یہ ہے کہ اس کی بنیاد توحید پر ہے، یعنی ہم اس کائنات میں تمام تصرف، تمام اختیار، تمام قدرت صرف ایک اللہ رب العلمین کے لئے مانتے ہیں۔ اسی نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اس لئے اسی کی حکومت اس میں قائم ہے۔ الا له الخلق والامر۔ آگاہ، اسی نے خلق کیا اور اسی کی حکومت ہے۔ اس کی حاکمیت اور فرمانروائی (Soveragnty) بالکل غیر منقسم ہے۔

اگر اس میں کسی طرح کا انقسام ہوتا تو یہ آسمان و زمین اپنی جگہ پر قائم نہ رہتے۔ یہ سارا نظام جو وحدت و ہم آہنگی کا ایک خوبصورت ترین نظام ہے درہم برہم ہو جاتا۔ قرآن مجید نے سورہ انبیاء میں اسی غیر منقسم فرمانروائی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا

اگر آسمان و زمین میں خدا کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو یہ آسمان و زمین درہم برہم ہو جاتے

اور یہی حقیقت سورہ بنی اسرائیل میں کسی قدر مختلف الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا

کہہ دو اگر اس کے ساتھ اور خدا بھی ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ عرش والے پر بغاوت کی راہ ڈھونڈتے۔

اور پھر یہی حقیقت سورہ مومنون میں بالکل واضح ہو گئی ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذًا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں اور نہ کوئی معبود اس کا ساجھی ہے اگر یوں ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا، پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

یعنی اس کائنات کی ہم آہنگی اور اس کا وجود اسی وجہ سے قائم ہے کہ اس کا خالق اور مالک ایک ہے جس کی حاکمیت غیر منقسم ہے۔ اگر یہ حاکمیت منقسم ہوتی تو یہ آسمان و زمین قائم نہ رہ سکتے۔ سارا نظام مختل ہو جاتا۔ ہماری سیاست کی محدود دنیا میں غیر منقسم حاکمیت کا جو اصول مسلم ہے اور جس کو نظر انداز کر کے ہم کسی اجتماعی نظام کا تصور نہیں کر سکتے، اسی اصول کی روشنی میں قرآن نے

توحید کی حقیقت کو سمجھایا ہے اور کس قدر مختصر مگر جامع لفظوں میں سمجھایا ہے۔

پھر جو وحدت اس تمام کائنات میں ہے ضرور ہے کہ وہی وحدت اس کائنات کے اس چھوٹے سے جزو میں بھی ہو جس کا نام زمین ہے اور جس کے اندر ہم بستے ہیں۔ یعنی ضروری ہے کہ ہم ایک ہی کی حاکمیت اور فرمانروائی کو تسلیم کریں ورنہ جس طرح حاکمیت کی تقسیم مجموعی کائنات کو تباہ کر دیتی اسی طرح حاکمیت کی تقسیم اس زمین کے نظام کو بھی درہم برہم کر دے گی۔ یہی نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان الحکم الا للہ کی تعلیم دی اور شرک کو فساد فی الارض سے تعبیر فرمایا۔ سورہ اعراف کی یہ آیت اس نکتہ کو سمجھانے کے لئے نہایت اہم ہے۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ

اپنے رب ہی کو پکارو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بیشک وہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت ڈالو اور اسی کو پکارو خوف سے اور طمع سے، بے شک اس کی رحمت نیکوکاروں سے قریب ہے۔

اس آیت کے تمام پیش و عقب پر جو شخص تدبر کرے گا وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اس بات کو معلوم کرے گا کہ اس میں جس فساد فی الارض سے روکا گیا ہے وہ شرک ہے۔ لا تفسدوا فی الارض میں جس بات کو منفی پہلو سے کہا گیا ہے وہی بات ہے جو وادعوہ خوفا وطمعا میں اثباتی پہلو سے کہی گئی ہے۔

شرک، فساد فی الارض کیوں ہے؟ اس کے بہت سے وجوہ ہیں جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے لیکن ایک پہلو جو نہایت ہی واضح ہے اور جو ہمارے آئندہ مباحث کی تمہید

یہ ہے کہ شرک ایک خدا کی اور اس کے ایک قانون کی حاکمیت کو مٹا کر خلق کو بے شمار خداؤں اور مختلف قانونوں کی الگ الگ فرقہ بندیوں میں تقسیم کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ زمین جو ایک خدا کی مخلوق اور ایک نسل آدم کا گہوارہ ہے مختلف نسلوں اور بے شمار بتوں اور ان کے پجاریوں کی ایک رزمگاہ بن جاتی ہے اور ساری زمین کا امن و عدل غارت ہو جاتا ہے۔ اس دعوی کا محسوس ثبوت ہم پرانی تاریخ میں متمدن یونان اور روم میں بھی دیکھ سکتے ہیں جن کی شہری حکومتیں الگ الگ "ہاتفوں" سے الہام حاصل کرتی تھیں اور جاہل و غیر متمدن عرب میں بھی دیکھ سکتے ہیں جن کے قبیلے قبیلے کے جدا جدا بت تھے۔ اور موجودہ متمدن دنیا میں بھی اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جو یونان اور عرب کے بتوں کی جگہ وطن اور نسل اور رنگ کے بتوں کو پوجتی ہے اور ان کے ناموں پر جتھے بنا کر ہر وقت آگ اور خون کی ہولی کھیلنے اور امن و عدل کو تباہ کرنے کیلئے مسلح ہے۔ پھر اسی فساد فی الارض کے اندر ان کی تباہی کا راز بھی مضمر ہے۔ یونان کی ابتدائی شہری حکومتوں کو ان کی باہمی جنگوں نے تباہ کیا کہ مختلف دیوتاؤں کے لئے ضروری تھا کہ وہ بعضھم علی بعض کے قانون کو پورا کریں۔ موجودہ دنیا کی حکومتیں بھی جو پرانی حکومتوں کی طرح الگ الگ نسلوں زبانوں اور وطنوں سے الہام حاصل کر رہی ہیں انھوں نے زمین کو جس طرح فساد سے بھر دیا ہے وہ ہر نگاہ کے سامنے ہے اور آئندہ جو کچھ آنے والا ہے اس کے تصور سے خود ان آلہۂ فساد کے جسم لرز رہے ہیں۔ عرب کا حال بھی ہم سے مخفی نہیں کہ ان کی زمین کا کوئی گوشہ بھی نہ تھا جو امن و عدل سے آشنا ہوتا۔ ہر قبیلہ کا خدا اور قانون الگ الگ اور سارا ملک شیطان اور اس کے شر و فساد کا جہنم۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کو اس جہنم سے نجات دی گئی جس کا قرآن مجید نے ان لفظوں میں ذکر فرمایا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا	اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑو اور

وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ	باہم متفرق نہ ہو اور اپنے اوپر اللہ کی
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً	نعمت کو یاد کرو جبکہ تم باہم ایک دوسرے
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ	کے دشمن تھے پس اللہ نے تمھارے دلوں کو
بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى	جوڑا پس تم اس کے فضل سے بھائی بھائی
شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ	بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے
فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ	پس اللہ نے تم کو اس سے نکالا۔ اسی طرح
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ	اللہ اپنی آیتیں تمھارے لئے کھول کر بیان
تَهْتَدُوْنَ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ	کرتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔ اور چاہئے
اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ	کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی دعوت
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	دے، معروف کا حکم دے اور برائی سے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ	روکے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا	ان لوگوں کی طرح نہ بنا جو متفرق ہو گئے
كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا	اور انھوں نے اختلاف کیا بعد اس کے
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ	کہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں آگئیں
وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ	اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔
عَظِيْمٌ (۱۰۳-۱۰۵ آل عمران)	....

ہمارے علماء اس آیت پر غور کریں یہ آیت ان کے ماضی و مستقبل کا آئینہ ہے۔ اس میں ہماری پہلی حالت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اور جہنم کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ پھر اللہ کی رحمت ہم پر متوجہ ہوئی اور ہم کو اس کی ایک ہی رسی نے

باہم گر جوڑ کر بھائی بھائی بنا دیا۔ پھر اس میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اگر ہم پہلی عداوت کے عذاب میں مبتلا ہونا چاہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم سب ملکر اس رسی کو مضبوط پکڑے رہیں۔ کیونکہ اگر ہم نے اس کو چھوڑا تو پھر تتر بتر ہو کر اسی جہنم کے گڑھے کے کنارے پہنچ جائیں گے جس سے خدا کی رحمت نے ہم کو رہائی دی تھی۔ پھر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس حالت پر مضبوط و استوار قائم رہنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک طاقتور جماعت اصحاب امر و نہی اور ارباب حل و عقد کی ایسی ہونی چاہئے جو برابر نیکی کے اصولوں کا حکم دیتی رہے اور برائیوں کو چھانٹتی رہے کہ برائیاں ہماری زندگی پر چھا نہ جائیں اور آخر میں یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ دیکھو ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جن کے ہاتھوں میں تمہاری ہی طرح خدا کی رسی دی گئی تھی مگر وہ اس کو چھوڑ کر الگ الگ ہو گئے اور جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان کے آپس میں اختلاف مچ گیا اور وہ خدا کی روشنی پا کر تاریکی میں بھٹک گئے۔

یہ رسی کیا ہے؟ اس کا صحیح جواب ایک ہی ہے کہ قرآن! خدا اور بندوں کے درمیان رشتہ جوڑنے والی رسی یہی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹک رہی ہے۔ یہی قرآن ہے جو ہمارے درمیان اور خدا کے درمیان میثاق اور عہد ہے۔ ہم ایک خدا کے ماننے والے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسی ایک کے امر و حکم کو مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم کسی کا حکم مانیں تو ہم خدا کی حاکمیت کو تقسیم کر کے فساد فی الارض کے مجرم ہوں گے اور فساد فی الارض کے مجرم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ ان کے لئے تباہی اور ہلاکت ہے۔ واولئک لھم عذاب الیم۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا میں یہود و نصاریٰ کی راہ اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ یہاں مختصراً یہود و نصاریٰ کے طرز عمل کو بھی سمجھ لیا جائے تاکہ قرآن مجید کی تنبیہ پوری طرح سمجھ میں آسکے۔

یہود کے متعلق قرآن مجید نے جگہ جگہ یہ فرمایا ہے کہ ان کو جو کتاب دی گئی اس کو انھوں نے چھپایا، اس میں انھوں نے تحریف کی۔ انھوں نے اپنی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اس کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا، یہاں تک کہ اس کو چھوڑ کر اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ (۳۱ توبہ) انھوں نے اپنے احبار و رہبان کو خدا کے سوا معبود بنا لیا۔ اس آیت کی تاویل میں جو روایت ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کاہنوں اور علماء کے احکام نے کتاب الٰہی کی جگہ لے لی تھی اور اس طرح وہ اس نقض میثاق اور فساد فی الارض کے مرتکب ہوئے جس کی سزا خدا نے ان کو لعنت کی صورت میں دی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ	پس ان کی عہد شکنی کی سزا میں ہم نے
لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ	ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت
قٰسِيَةً	کر دیئے۔

یہ نقض میثاق کتاب الٰہی کا ترک و نسیان ہے اور یہی چیز ہے جس کی بنا پر قرآن نے جگہ جگہ یہود کو فساد فی الارض کا مجرم قرار دیا۔ ولتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا۔

ٹھیک یہی حال نصاریٰ کا ہوا۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى	اور ان سے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں
اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا	ہم نے میثاق لیا پس وہ اس کا ایک حصہ
حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا	بھلا بیٹھے جس کے ذریعہ ان کو یاد دہانی کی
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ	گئی (یعنی کتاب) پس ہم نے ان کے درمیان
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت تک کیلئے عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی۔

"میثاق لیا" یعنی کتاب دی اور اس کے قیام و اہتمام اور اس کی پیروی و پابندی کا عہد لیا۔ لیکن یہ بھی اس کو بھلا بیٹھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیامت تک کے لئے ان کے درمیان بغض و عداوت کی آگ بھڑک اٹھی اور خدا کی زمین میں اصلاح کے بعد فساد پیدا ہو گیا۔

اس کی وجہ نہایت صاف ہے کہ کتاب الٰہی روشنی ہے اگر روشنی گل ہو جائے تو اندھیرے میں ایک کا دوسرے سے ٹکرانا اور اختلاف و نزاع کا برپا ہونا ناگزیر ہے۔ مولانا روم نے اس حقیقت کو اپنی مثنوی کی ایک تمثیل میں نہایت خوبی سے سمجھایا ہے۔ اور قرآن مجید نے کتاب الٰہی کو سورہ حدید میں میزان سے تعبیر فرما کر اس معاملہ کو ایک دوسرے پہلو سے بھی واضح کر دیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا	اور ہم نے اپنے انبیاء بھیجے روشن دلائل
بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ	کے ساتھ اور اتاری ان کے ساتھ کتاب
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ	اور میزان تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔
بِالْقِسْطِ	....

اس بات کی نہایت لطیف تائید سورہ رحمٰن کی ابتدائی آیات سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں قرآن کو اسی طرح زمین کے عدل و توازن کے لئے میزان قرار دیا گیا ہے جس طرح آسمان و زمین کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک میزان رکھی ہے اور جس کی وجہ سے وہ دونوں قائم ہیں۔ پس اس حقیقت کے سامنے آنے کے بعد کہ کتاب الٰہی میزان ہے اور اس کا نزول لوگوں کے قسط و عدل پر قائم رہنے کے لئے ہے یہ بات بالکل صاف واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے بھلا دینے اور پس پشت ڈال دینے کے بعد عداوت و بغض اور فساد فی الارض کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔

اس توضیح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ دنیا میں جو قومیں کتاب الٰہی کی وراثت اور میثاق الٰہی سے سرفراز کی گئی تھیں انھوں نے کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دیا اور اس طرح وہ

حبل اللہ منقطع ہو گئی جو انسانیت کے اجتماع و تالیف کے لئے اور عبد و معبود کے رشتہ کو قائم رکھنے کے لئے آسمان سے لٹکائی گئی تھی اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر ایک قانون کی حاکمیت اور زمین کا وہ توازن مختل ہو گیا جو اس کے تمام انتشار کے لئے وحدت اور تمام تفرق کے لئے اجتماع و ائتلاف کا شیرازہ تھا۔

اس کے بعد خدا کی رحمت زمین کی طرف پھر متوجہ ہوئی اور وہ ٹوٹا ہوا رشتہ رحمت نبی سے قائم ہوا اور حکم ہوا کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا خدا کی اس رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑو اور متفرق نہ ہونا یعنی اس کو چھوڑنا مت۔ اس کا چھوڑنا تفرق اور انتشار ہے۔ یہی رشتہ تم کو خدا سے وابستہ رکھے گا اور پھر یہی چیز ہے جو تمھارے آپس کے میل ملاپ اور اتحاد و یکجہتی کی بنیاد ہے۔ یہ بنیاد جہاں کمزور ہوئی تمھاری ساری عمارت ڈھے جائیگی اور زمین پھر شیطان کے قبضہ میں چلی جائے گی۔

اس حبل اللہ المتین کے رشتۂ وحدت نے جس امت کو مجتمع کیا اس کے نزدیک یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن تھی کہ تمام آسمان و زمین کی حاکمیت کا مرکز اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ پس اسی کی اتاری ہوئی کتاب اور اسی کے بھیجے ہوئے قانون کی حاکمیت زمین میں ہونی چاہئے۔ جو اس میں حرام ہے وہ حرام ہے، اور جو اس میں حلال ہے وہ حلال ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو حق نہیں کہ اپنے جی سے کسی چیز کو حرام و حلال قرار دے اور اپنے اختراع اور اختیار سے خدا کے بندوں پر کوئی قانون نافذ کرے۔ ایسا کرنا خدائے واحد کے قانون کی حاکمیت میں ساجھا بٹانا ہے جو مومن کی خصوصیت نہیں ہے، ان مشرکین کی خصوصیت ہے جو اپنی طرف سے حرام و حلال کرتے تھے۔ اور جن کے اسی جرم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے زمین کا اقتدار چھینا اور مسلمانوں کو سونپا۔

پس مسلمانوں کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کتاب کا علم و عمل ان کی زندگی کا اصلی مقصود قرار پاگیا تھا۔ وہ اس کو پڑھتے تھے، اس پر غور کرتے تھے اور اس کی مشکلوں اور دقتوں کو حل کرنے کے لئے باہم مذاکرے کرتے تھے۔ رات کی خلوتوں اور دن کی جلوتوں میں یہی چیز تھی جو ان کے دل کی راحت اور روح کی طمانیت تھی۔ وہ اس کی ایک ایک آیت کو لیتے اور جب تک اس کے علم کو اپنے قلب و روح پر اور اس کے عمل کو اپنے اعضاء جوارح پر طاری نہ کر لیتے اس سے آگے قدم نہ بڑھاتے۔

عن ابن مسعود قال کان	ابن مسعود نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص
الرجل منا اذا تعلم عشر	قرآن کی دس آیتیں بھی سیکھ لیتا تو ان سے
آیات لم یجاوزھن حتی	آگے نہ بڑھتا تا آنکہ ان کے معانی کو سمجھ
یعرف معانیھن والعمل بھن	نہ لے اور ان پر عمل نہ کرے۔

اس علم کی قدر و وقعت کا یہ حال تھا کہ یہی عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔

ولو اعلم احدا اعلم	اگر میں کسی ایسے کا پتہ پاتا جو مجھ سے
بکتاب اللہ منی تنالہ المطایا	زیادہ کتاب اللہ کا عالم ہوتا اور سواری
لاتیتہ	سے اس تک پہنچنا ممکن ہوتا تو میں ضرور اس کے پاس پہنچتا۔

اور پھر یہی کتاب تھی جو سرچشمۂ حکم و قضا تھی۔ قضاۃ و ارباب افتاء کے سامنے جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا وہ سب سے پہلے اسی کتاب کی طرف رجوع کرتے۔

عن معاذ انہ قال لما بعثنی	معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کہ جب مجھے رسول اللہ صلعم نے یمن بھیجا
الی الیمن قال کیف تقضی اذا	تو دریافت فرمایا کہ جب تمھارے سامنے

عرض لک قضاء قال اقضی	کوئی معاملہ آئیگا تو اس میں کیسے فیصلہ کروگے؟
بکتاب اللہ قال فان لم یکن	میں نے جواب دیا اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا اگر اللہ
فی کتاب اللہ قال فبسنۃ	کی کتاب میں کوئی واضح بات نہ ملے۔ جواب دیا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ کی سنت سے۔ فرمایا اگر اس میں
قال فان لم یکن فی سنۃ	بھی کوئی واضح بات نہ ملے؟ جواب دیا پھر میں
رسول اللہ قال اجتہد فی	اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا اور اس اجتہاد
ولا آلو قال فضرب رسول اللہ	عقل میں کسی طرح کی کوتاہی نہ ہونے دوں گا۔
صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ	پھر رسول اللہ صلعم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا
قال الحمد للہ الذی	اور فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے اللہ کے
وفق رسول رسول اللہ	رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق دی
لما یرضی رسول اللہ	جو اللہ کے رسول کو پسند ہے

بعینہ یہی بات حضرت عمر بن الخطابؓ نے شریح قاضی کو لکھی۔

اذا وجدت شیئا فی کتاب اللہ	جب تمھیں کتاب اللہ میں کوئی بات مل جائے
فاقض بہ ولا تلتفت الی	اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اس کے علاوہ
غیرہ واذا اتی شیء لیس فی	کسی چیز کی طرف متوجہ مت ہو اور جب ایسی
کتاب اللہ ولیس فی سنۃ	صورت ہو کہ اس کے متعلق نہ کتاب اللہ میں
رسول اللہ ولم یقل فیہ	کوئی بات موجود ہو نہ سنت رسول اللہ میں
احد قبلک فان شئت	نہ اس بارہ میں تمھارے کسی سابق کا قول ہو
ان تجتہد رایک فتقدم	تو اگر تم اجتہاد کرنا چاہو تو آگے قدم بڑھاؤ

وان شئت ان تتاخر فتاخر	اور اگر نہ چاہو توقف کرو اور یہ توقف ہی
ما اراہ التاخر الا خیرا لك	تمہارے لئے بہتر ہی سمجھتا ہوں۔

نیز اسی مضمون کی روایات، کچھ الفاظ کے تغیر اور بعض مطالب کی تشریح کے ساتھ، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ سے ہیں۔ ان تمام روایات سے یہ واضح ہے کہ خیر القرون میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی طرح کتاب اللہ کی حاکمیت بالکل مسلم تھی۔ ہر معاملہ میں پہلی سند اور اولین مرجع وہی چیز تھی۔ ہر قاضی اور مفتی کے سامنے جب کوئی ایسی حالت پیش آتی جس میں اس کو کوئی حکم لگانا ہوتا تو وہ سب سے پہلے اسی کے منصوصات میں ہدایت ڈھونڈھتا، جب اس میں اس کو کوئی واضح بات نہ ملتی تو پھر سنت رسول اللہ اور اجتہاد و رائے کا دروازہ کھٹکھٹاتا۔

اور یہ سنت رسول اللہ اور اجتہاد و رائے کوئی ایسی چیز نہ تھی جو کتاب اللہ پر قاضی اور یا اس سے کوئی علیحدہ چیز ہو۔ سنت رسول اللہ سرتاسر کتاب الٰہی کی تبیین و تفسیر ہے ... باتیں کتاب الٰہی کے اشارات ...... میں مضمر تھیں ان کو رسول اللہ کی سنت نے کھول دیا ہے۔ پس اس کا تمسک درحقیقت کتاب الٰہی کا تمسک ہے۔ وہ کتاب اللہ کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ خیر القرون کے علماء ہوں اور بعد کے ارباب نظر نے معاملہ کو یوں ہی سمجھا ہے اور صحیح رائے یہی ہے۔ اس کے خلاف جن نے کوئی بات کہی ہے وہ یا تو حمایت کا غلو ہے یا انکار کی سرکشی اور یہ دونوں راہیں باطل کی ہیں۔

عن عمران بن حصین انه	عمران بن حصین سے روایت ہے کہ انہوں
قال لرجل انك امرء احمق	نے ایک شخص سے کہا کہ تم بالکل احمق آدمی
اتجد فی کتاب الله الظهر	ہو، بھلا کتاب اللہ میں کہیں ہے کہ ظہر چار رکعت
اربعا لا تجهر فیها بالقرأة	ہے اور اس میں قرأت جہری نہ ہو پھر اسی

ثم عدد علیه الصلوٰة	طرح اور نمازیں اور زکوٰۃ وغیرہ کے قسم کی
والزکوٰة ونحو هذا ثم قال	چیزیں گنائیں اور پوچھا کیا ان کے بارہ میں
اتجد فی کتاب الله مفسرا؟	کتاب اللہ میں پوری تفصیل ہے؟ کتاب اللہ
ان کتاب الله ابهم هذا وان	میں یہ چیزیں مجملاً بیان ہوئی ہیں اور سنت رسول اللہ
السنة تفسر ذلك	میں ان کی پوری تفصیل ہو گئی ہے۔

ایک دوسری روایت ہے۔

عن ایوب ان رجلا قال لمطرف	ایوب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مطرف
بن عبد الله ابن الشخیر	بن عبداللہ ابن الشخیر سے کہا کہ ہم سے قرآن
لا تحدثونا الا بالقرآن	کے علاوہ کچھ نہ بیان کرو، مطرف نے کہا خدا کی
فقال له مطرف والله ما	قسم ہم یہ نہیں چاہتے کہ قرآن کا کوئی بدل
نرید بالقرآن بدلا ولکن	پیش کریں ہم تو صرف اسکی بات پیش کرنا چاہتے
نرید من هو اعلم بالقرآن منا	ہیں جو ہم سے زیادہ قرآن کا عالم تھا۔

اور جن علماء کا یہ مذہب ہوا کہ "ان السنة قاضیة علی الکتاب" سنت کتاب اللہ پر قاضی و آمر ہے تو جیسا کہ ہم نے اوپر کہا محض غلو کا نتیجہ ہے اور حدیث و سنت کے سب سے بڑے حامل احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے اس باب میں جو بات فرما دی ہے وہ بالکل آخری و قطعی ہے۔

قال الفضل بن زیاد سمعت	فضل بن زیاد کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل سے ان
اباعبد الله یعنی احمد بن	"السنة قاضیة" والی حدیث کی نسبت سوال
حنبل وسئل عن الحدیث	کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں یہ کہنے کی
الذی روی ان السنة	جرأت نہیں کر سکتا کہ سنت کتاب اللہ پر

قاضية على الكتاب فقال	قاضی واقع ہے۔ البتہ یہ بات ہے کہ سنت کتاب
ما اجسر على هذا ان اقوله	اللہ کی تفسیر و توضیح کرتی ہے۔ بعض کہتے ہیں
ان السنة قاضية على الكتب	کہ احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ سنت قرآن کی
ان السنة تفسر الكتاب و	کسی بات کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ قرآن کو
تبينه قال الفضل و سمعت	صرف قرآن منسوخ کر سکتا ہے......
احمد بن حنبل يقول لا	....
تنسخ السنة شيئا من القرآن	....
قال لا ينسخ القرآن الا القرآن	....

بعینہٖ یہی مذہب حضرت امام شافعیؒ اور جمہور اصحاب مالکؒ کا ہے۔

لیکن ایک بات یہاں یاد رکھنی چاہیے کہ سنت قرآن کی ایسی تفسیر ہے جو ایک معصوم کی طرف سے کی گئی ہے، جس کا اجتہاد بے خطا اور جس کا استنباط بالکل قطعی اور غیر مشتبہ ہے اس لئے نہ صرف یہ کہ ہم اس کو کتاب کا ایک ناقابل انکار جزو سمجھتے ہیں بلکہ خود اس کی جزئیات سے اصول و کلیات مستنبط کر کے بعینہٖ اسی طرح ان اصول و کلیات کی روشنی میں تفریع و تخریج مسائل کر سکتے ہیں جس طرح قرآن سے مستنبط کلیات کی روشنی میں کرتے ہیں۔ یہ پایہ کتاب اللہ کے بعد صرف سنت رسول اللہ کو حاصل ہے اور سنت رسول اللہ کے سوا کسی امام و مجتہد کے اجتہادات و مستنبطات کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اس کے قرار دادہ اصول ہمارے نئے اصولوں کے... بننے کے سانچے کا کام دیں یا اس کی جزئیات سے کلیات بنا کر ہم ان کلیات کو تخریج مسائل کی بنیاد ٹھہرا سکیں۔

اب "اجتہاد مطلق" کی حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے۔

اجتہاد ورائے کتاب و سنت کے منصوصات، ان سے مستنبط کلیات اور ان کی تعلیل کی روشنی میں رشد و ہدایت کی جستجو کا نام ہے۔ خیر القرون میں یہ منصب ہر شخص کے لئے نہ تھا صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو دین میں تفقہ اور اجتہاد کا مرتبہ رکھتے تھے اور اس رمز سے آشنا تھے کہ روز کے پیش آنے والے حالات و معاملات میں کس طرح کتاب و سنت کی رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ یہ اخیار کتاب و سنت کے مزاج میں درخور رکھتے تھے، ان کے فلسفہ کے محرم اسرار، ان کے نکتوں کے رمز آشنا، اور مومنانہ فراست اور تقوی کی دولت حیات سے پوری طرح مالا مال تھے۔ یہ فتوی اور قضا کی ذمہ داریوں سے بھی باخبر تھے اور اس باب میں احادیث میں جو وعیدیں وارد ہیں ان سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر نے فرمایا ہے اجرؤكم على الفتيا اجرؤكم على النار تم میں فتوی دینے میں جو شخص سب سے زیادہ جری ہے وہ جہنم کی آگ میں پھاندنے کے لئے سب سے زیادہ دلیر ہے۔ اس کی وجہ سے ان کا حال یہ تھا کہ براء فرماتے ہیں کہ میں انصار میں سے ایک سو بیس ایسے اصحاب رسول اللہ سے ملا جن کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا کہ کاش اس کے بتانے کی ذمہ داری دوسرا لے لے۔

عمر بن عبدالعزیز خلیفہ تھے اور ان کے منصب کی ذمہ داریوں میں سے یہ بات بھی تھی کہ پیش آنے والے معاملات میں فتوے دیں اور اگر ان کے قضاۃ و عمال کسی معاملہ میں ان سے رجوع کریں تو ان کی رہنمائی کریں تاہم ان کے احتیاط و تورع کا یہ عالم تھا کہ جب ان کے ایک عامل نے رجوع کیا تو اس کو لکھا واللہ ما انا بحريص على الفتيا ما وجدت منه بدا خدا کی قسم جب تک میرے لئے فتوے سے فرار کی گنجائش نکل سکے میں اس کا خواہش مند نہیں ہوں۔ تمہارا علم اس ذمہ داری کے لئے کافی ہے۔ انہی کا ارشاد ہے کہ

اعلم الناس بالفتویٰ اسکتہم واجہلہم بہا انطقہم۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ فقہا کا یہ حال تھا کہ وہ جب تک فتویٰ دینے کی ذمہ داریوں سے بچ سکتے تھے فتویٰ سے گریز کرتے تھے، اسی وقت اس بارگراں کو اٹھاتے تھے جب اس کے لئے بالکل مجبور ہو جاتے تھے۔ حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے تئیں فتویٰ کے لئے پیش کیا اس نے بہت بڑی ذمہ داری اٹھائی، مفتی کو یہ بات جاننی چاہئے کہ وہ اللہ کی طرف سے امر و نہی کا اعلان کر رہا ہے اور وہ اس بارہ میں مسئول ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ ہم سے فتویٰ پوچھتے ہو اور ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاش یہ بات ہم سے نہ پوچھی جاتی۔ حضرت امام مالکؒ سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو معلوم ہوتا کانہ واقف بین الجنۃ والنار گویا جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑے ہیں۔ سلف سے اس طرح کے اقوال وارشادات کا ایک دفتر منقول ہے۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ جس بات میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں کوئی واضح ہدایت نہ ہو اس میں تحری کر کے اللہ ورسول کی مرضی سے اوفق بات معلوم کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہ تھا وہ جانتے تھے کہ یہاں کتاب اللہ کی حاکمیت کا سوال ہے اگر اس میں کسی طرح کا رخنہ پیدا ہوا، تو پھر یہ شرک اور توحید کا معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہ فرمائے گا۔ اگر ان کے سامنے بھی الگ الگ اماموں کی مرتب فقہیں ہوتیں اور بغیر علم واطلاع ان سے ایک بات نقل کر کے کفر وایمان کا فیصلہ کر دینا ہوتا یا ان کے صحیح وسقیم اصولوں پر صرف تخریج در تخریج کی عمارت کھڑی کر دینا مدار فقاہت واجتہاد قرار پا گیا ہوتا تو یقیناً معاملہ بہت سہل تھا۔ وہ ایک ہی دن میں توحید کتاب الٰہی اور امت سبکے بخیے ادھیڑ کے رکھ دے سکتے تھے۔ اور ملت کی تباہی کو اتنے دن انتظار کی زحمت نہ دیتے۔

افتاء وقضا تو درکنار وعظ گوئی کا مجاز بھی خیر القرون میں ہر شخص نہ تھا

ابوداؤد میں روایت ہے۔

عن عوف بن مالکؓ	عوف بن مالک الاشجعی راوی ہیں کہ
الاشجعی قال سمعت	میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا کہ
رسول اللہ صلعم یقول لا یقص	وعظ نہ کہے گا مگر امیر یا وہ شخص جو اس کی طرف
الا امیر او مامور او مختال (ابوداؤد باب فی القصص)	سے مامور ہو یا پھر اکڑنے والا۔

منصب قضا کے متعلق جو الفاظ ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہیں عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں فمن ابتلی بقضاء بعد الیوم فلیقض ...... جو اب قضا کی آزمائش میں ڈالا جائے تو وہ یوں کرے۔ من عرض لہ منہ قضاء جس کے سامنے قضا کی ذمہ داری آئے وہ یہ کرے۔ قاضی شریحؒ اور معاذؓ کو جو ہدایت ہوئی وہ بھی اسی نوعیت سے تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ ہر شخص اپنے طور پر جہاں چاہے وعظ کہدے اور جو چاہے فتویٰ کہدے جب لوگوں کے سامنے کوئی معاملہ پیش آتا امیر یا اسکے مامور کے سامنے پیش کرتے وہ کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کر دیتے۔ اور اگر معاملہ مشکل ہوتا، اس باب میں کتاب وسنت کی کوئی صریح روشنی موجود نہ ہوتی تو امیر دوسرے ارباب تفقہ واجتہاد کی شوریٰ بلاتا اور ان سے مشورہ لیتا، جب ایک بات طے ہو جاتی، اس کا اعلان کر دیا جاتا اور وہ بات گویا وقت کے اخیار اور ارباب بست وکشاد یا قرآن کے الفاظ میں اولوا الامر کی مجمع علیہا بات ہوتی اور یہی اجماع کی حقیقت ہے، پھر سب اسی کو مانتے اور اسی کے مطابق فیصلے ہوتے۔

اخرج الدارمی عن المسیب	مسیب بن رافع فرماتے ہیں کہ جب کوئی
بن رافع قال کانوا اذا نزلت	ایسا معاملہ پیش آتا جس کے متعلق رسول اللہ صلعم
فیہم قصۃ لیس فیہا عن	سے کوئی اثر مروی نہ ہوتا تو اس کیلئے

رسول اللہ اذا اجتمعوا	ارباب حل وعقد مجتمع ہوتے اور ایک متفق علیہ
لھا واجمعوا فالحق فیما راؤا	بات طے کرتے پس حق وہی بات ہے جو وہ طے کرتے۔

اس طرح کے مجمع علیہ مسائل کی نوعیت بالکل دوسری تھی اور قضاۃ و ارباب افتا ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع کرتے یہی چیز ہے جس کی طرف حضرت عمرؓ نے اپنے اس نامہ میں اشارہ فرمایا ہے جو قاضی شریح کو لکھا ہے "ولم یقل فیہ احد" اور اس کے بارہ میں کسی پیشرو کا قول بھی نہ ہو" اس قول سے مراد کسی شخص کا انفرادی قول نہیں ہے بلکہ اولوالامر کا کوئی مجمع علیہ فیصلہ مراد ہے۔ انفرادی اقوال اگرچہ صحابہ کے ہوں کوئی حجت نہیں۔ اس باب میں صحیح مسلک میرے نزدیک انہی لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ ان الاختلاف اذا وقع فہو خطا و صواب۔ صحابہ کے اقوال بھی جب باہدگر متصادم ہو جائیں تو ان میں غلط اور صحیح دونوں ہیں اور ان میں صحیح کی تعیین کتاب و سنت کی کسوٹی سے ہوگی یہی مذہب امام مالکؒ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ و ہو الحق عندی۔

اور حضرت ابن عباسؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ سنت رسول اللہ کی عدم موجودگی میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ بحیثیت امیران کے فتوی شوری کے مجمع علیہ فتوے تھے۔ والحق فیما راؤا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اگر میری سنت نہ پاؤ تو "اجعلوہ شوری بینکم ولا تقضوا فیہ برای واحد" ممکن ہے لفظاً صحیح نہ ہو مگر خیر القرون کا عمل اور دوسری روایات اس کے معنی کی تصدیق کرتی ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی ہوگی کہ خیر القرون میں مسلمانوں کے ظاہری اور باطنی، عقلی و مادی نظام میں کامل وحدت تھی، وہ ایک خدا کو مانتے تھے، اس کے

رسول کو مانتے تھے اور اپنے اولوالامر کو مانتے تھے۔ خدا نے قانون دیا تھا، رسول کی سنت نے اس کی تشریح فرمائی تھی، اور اولوالامر اس کے قیام و تنفیذ کے ذمہ دار تھے۔ اولوالامر کو قانون میں کسی ترمیم یا اختراع کا اختیار نہ تھا صرف اس قدر اختیار تھا کہ جس معاملہ میں وہ کتاب و سنت کی کوئی واضح بات نہ پائیں اس معاملہ میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب و رسول کی سنت سے اوفق بات ڈھونڈھ کر اس پر نظام امت کو چلائیں۔ اس کی ان کو "واعتصموا بحبل اللہ" والی آیت میں تعلیم دی گئی تھی اور جماعت اور جماعتی زندگی کا یہی طریقہ ان کو سورہ نساء کی مشہور آیت میں بتایا گیا تھا۔

یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ	اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور
واطیعوا الرسول واولی الامر	رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت
منکم فان تنازعتم فی شئ	کرو پس اگر کسی معاملہ میں تم مختلف الرائے ہو
فردوہ الی اللہ والرسول	تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ

اس آیت کے سمجھنے میں لوگوں سے سخت کوتاہیاں ہوئی ہیں لیکن اس وقت اس پر مفصل بحث کا موقع نہیں ہے۔ اس سے صرف ایک لطیفہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

اس میں جن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ تین ہیں۔ اللہ، رسول، اولوالامر۔ اور ظاہر ہے کہ امت کی تشکیل اسی طرح ممکن تھی لیکن تنازع کے وقت رجوع کا حکم صرف اللہ و رسول کی طرف دیا گیا ہے۔ اولوالامر کو اس سے الگ کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ بالاجمال یہ ہے کہ تنازع سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس میں قرآن یا سنت کی کوئی نص صریح موجود نہ ہو اور اس میں کسی کی رائے کچھ ہو کسی کی کچھ تو ایسے معاملہ میں امت بواسطہ اولوالامر ان کلیات و اصول کی طرف رجوع کرے گی جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اور اس سے استنباط کر کے کوئی

اوفی حکم حاصل کرے گی۔ کتاب و سنت قانون ہیں، اولوالامر قانون کی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس لئے رجوع کے مراکز میں وہ شامل نہیں ہیں، وہ اس رجوع میں عام امت کے ساتھ خود شریک ہیں بلکہ امت کے دماغ کی حیثیت سے وہی رجوع کریں گے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ قانون کی حاکمیت بلا اقتسام محفوظ رہے۔ ان الحکم الا للہ

ہم نے یہ جو کچھ لکھا ہے قتل عثمانؓ سے پہلے امت کا طریقہ یہی تھا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفا میں اس دور کی نسبت فرماتے ہیں۔

"وعظ و فتویٰ موقوف بود برائے خلیفہ بدون امر خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتویٰ نمی دادند و اخیرا بغیر توقف برائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتویٰ می دادند و درین وقت مشاورۃ جماعت در فتویٰ موقوف شد ....

و تحقیق آنست کہ تا زمان حضرت عثمانؓ اختلاف مسائل فقہیہ واقع نمی شد در محل اختلاف بخلیفہ رجوع می کردند و خلیفہ بعد مشاورت امرے اختیار می کرد و ہماں امر مجمع علیہ می شد و بعد وجود فتنہ ہر عالمے برائے خود فتویٰ می داد و دریں زمانہ اختلاف واقع شد چنانچہ شہرستانی در کتاب ملل و نحل گفتہ کہ بمجرد وفات آنحضرت صلعم اختلاف پدید آمد خطا است۔ اختلاف آں نیست کہ در اثنائے مشاورت اقوال متغایرہ گویند و باخر امرے منقح شود و برہماں امر اجماع کنند اختلاف آن است کہ ہر دو قول مستقر بماند و ہر یکے بجانب خود رود و ہم وضع مخالف خواہد .... و منشاء غلطیہ کہ بیان آں مترتب گشت آنست کہ طبقات متاخرین این تقریرہا بعینہا و صفاتہا سنت خیال کردند ازیں جہت کہ اصل آنہا خود از سنت بود ولا محالہ قائم شدند بر تارک آں یا مقصود در آں"

(باقی)

مقالات

تبلیغ اور پروپگنڈا

(۲)

از جناب مولوی حافظ عبدالاحد صاحب اصلاحی

دونوں کے مخاطب اور ان کا اثر

تبلیغ ہمیشہ انسان کی عقل، اس کی فطرت سلیم اور اس کے نفس ناطقہ کو مخاطب کرتی ہے لیکن پروپگنڈا کبھی عقل کو مخاطب نہیں کرتا۔ وہ عقل سے ہمیشہ کترا کر نکل جانا چاہتا ہے اور اپنا جادو انسان کے نفس اور اس کی شہوات پر چلاتا ہے وہ عوام کے دلوں کی کسی محبوب خواہش کو ڈھونڈھ لیتا ہے اور پھر اسی کے سہارے ساری قوم کے حواس و مشاعر پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد بڑے بڑے حکما اور عقلا، اس کے سحر سے مسحور اور اس کے شعبدے سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو چیز انسان کے اندر عقل کے راستہ سے نہیں آئے گی وہ زیادہ دیر تک قرار نہیں پکڑ سکتی۔ وہ جس سرعت کے ساتھ آئی ہے اسی سرعت کے ساتھ اس کے فنا ہونے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔

مثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ — گندی بات کی مثال گندے درخت کی ہے کہ
خبیثۃ ن اجتثت من فوق — جس کو زمین کے اوپر سے جب اکھاڑ لیا
الارض ما لها من قرار — اور اس کو کوئی ثبات نہیں ہے۔

اس کی بہترین مثال فرانس کے انقلابات میں مل سکتی ہے۔ روسو نے جمہوریت کا جو صور پھونکا اس نے سارے ملک کو مدہوش کر دیا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے فلسفی اور حکیم بھی اس کے نظریات اور دلائل کی کمزوریوں پر غور نہیں کر سکتے تھے لیکن جب روسو کی لائی ہوئی آندھی عمارتوں کو مسمار، باغوں کو ویران، بستیوں کو اجاڑ کر کے گذر گئی اور لوگوں کو بعد کے نتائج پر غور کرنے کی فرصت ملی تو بہتوں کو اپنی رائیں بدلنی پڑیں اور انھیں نظر آیا کہ روسو کے نظریات اتنے پر زور نہیں تھے جتنا اس کے حامیوں کا پروپگنڈا پر زور تھا۔ اور یہ سمجھنے میں بہت کچھ مدد ان نتائج نے دی جو فرانس میں ظاہر ہوئے۔

جنگ عظیم کے دوران میں مغربی قوموں نے ایک دوسرے کے خلاف جو طوفانی پروپگنڈے کیے اس نے ہمیشہ کے لیے انھیں ایک دوسرے سے بدظن کر دیا اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی اخلاقی عظمت کا جو اعتراف تھا وہ اعتراف انکار سے بدل گیا نیز ترکوں کے خلاف عربی ممالک میں آزاد عرب سلطنت کے قیام کے پردہ میں جو زوردار پروپگنڈا انگریزوں کی طرف سے کیا گیا جس کے نتیجہ کے طور پر عرب ترکوں کے خلاف انگریزوں کے ہمنوا بن گئے تھے۔ اس کا انجام کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ اصل حقیقت جب عربوں کی نگاہوں کے سامنے آگئی، انھیں یقین ہو گیا کہ آزاد عرب سلطنت کے قیام کا جو سبز باغ دکھلایا گیا تھا وہ محض سراب تھا۔ اس احساس کے پیدا ہو جانے کے بعد انگریزی قوم کی جو اخلاقی عظمت ان کے دلوں میں تھی وہ باقی نہیں رہی بلکہ الٹے انگریزوں کے عمل سے نفرت پیدا ہو گئی۔ یہی حال اس پروپگنڈا کا بھی ہوا جو ترکوں کے ارتداد کے متعلق سارے عالم اسلامی میں زور و شور سے جاری کیا گیا تھا۔ پہلے تو اس چیز سے عالم اسلامی میں ایک عام منافرت اور بیزاری کا جذبہ ترکوں کے خلاف پیدا ہوا مگر جب کچھ دنوں کے بعد حقیقت حال سے پردہ ہٹا تو ترکوں سے قدرۃً ہمدردی اور پروپگنڈا کرنے والی قوموں سے

نفرت پیدا ہو گئی

اس کے بالکل برعکس تبلیغ ہمیشہ عقل کو مطمئن اور آسودہ کرنا چاہتی ہے۔ اس کے کام طمع، خوف، اور رغبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اس کی نظر اپنے کاموں کے نتائج کی مقدار سے زیادہ اس کی کیفیت پر ہوتی ہے۔ ایک پروپگنڈسٹ جس طرح بھی اپنی جماعت میں ایک فرد کا اضافہ کر لے اس پر خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتا ہے کیونکہ وہ توقع رکھتا ہے کہ کسی موقع پر جیب کا یہ کھوٹا سکہ بھی کام دے سکتا ہے۔ مگر مبلغ کھوٹے سکہ کو کوڑی کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ اس کی کوششوں کا چاہے کچھ نتیجہ نہ ہو مگر وہ اپنے عمل کی تقدیس کو برباد نہیں کر سکتا۔

اس زمانہ میں عیسائی مشنریوں کے جو رسالے نکلتے ہیں، ان پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے حواریین کے یہ جانشین دنیا کے نقشہ میں سے کس کس طرح پہلے ان مقامات کو تلاش کرتے ہیں جہاں ان کی انگلی دھنس سکتی ہے، اور پھر کمزوروں بھوکوں بے نواؤں کو ورغلانے کیلئے کیا کیا داؤ پیچ کھیلتے ہیں اور کن کن حیلوں اور چالوں سے ان کو اپنے دام فریب میں پھنساتے ہیں۔

مگر تبلیغ کا بنیادی اصول یہ ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اپنے رب کے رستہ کی طرف بلاؤ حکمت
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	اور موعظہ حسنہ سے اور ان سے اس طریقہ
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ	سے مجادلہ کرو جو بہترین ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ طریق جھوٹ، فریب، طمع، اور ترغیب کا نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی دعوت کا مخاطب ان لوگوں کو بناؤ جو ارباب عقل و استعداد

ہیں۔ کہ عوام کو جو بیچارے کسی چیز کے حسن و قبح کو مشکل سے معلوم کر سکتے ہیں اور آسانی سے طمع و ترغیب اور جذبات کے شکار ہو جاتے ہیں۔ استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ نے تفسیر سورہ لہب میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زجر و توبیخ کے سب سے پہلے ہدف علماء یہود ہوئے کیونکہ امانت الٰہی کے حامل ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے بازپرس کے مستحق وہی تھے۔ علماء عوام کے امام ہوتے ہیں اس لئے ہدایت و اصلاح کی دعوت سب سے پہلے انہی کو مخاطب کرتی ہے کہ ان کی اصلاح عوام کی اصلاح کا ذریعہ ہو۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی دعوت میں رہبران قوم سے اغماض کر جاتے تو یہ دین کے معاملہ میں ناجائز چشم پوشی ہوتی اور دعوت حق کا تمام کاروبار درہم برہم ہو جاتا یہ طریق دعوت باغیوں اور طالبین ملک و دولت کا ہے جو ہمیشہ عوام کو ورغلا کر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی مقام انبیاء کرام اور طالبین ملک و جاہ کے درمیان نقطۂ امتیاز ہے جہاں سے دونوں جماعتوں کی راہیں الگ ہو جاتی ہیں۔

دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے حکم دیا کہ سب سے پہلے فرعون کو مخاطب کریں۔ فرمایا

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ	فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی اور کہو
طَغٰى فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى	کیا میں تجھے تلقین کروں کہ تو پاکی حاصل کرے
وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى	اور تیرے رب کی راہ سجھاؤں کہ تو اس سے ڈرے

حضرت دانیال علیہ السلام نے اپنے وقت کے شہنشاہ اعظم بخت نصر کو دعوت دی، یرمیاہ نبی نے شمال کے بادشاہوں پر نبوت کی اور حضرت خاتم النبیینؐ نے متعدد سلاطین عالم کو نامے بھیجے۔

موجودہ پروپگنڈے کا ایک گر گر یہ بھی ہے کہ جس جماعت کے خلاف پروپگنڈا کرنا ہو اس کی تحقیر و تذلیل کی جائے تاکہ اس کی اور اس کے اصولوں کی وقعت دلوں میں کم ہو لیکن تبلیغ

---

[1] تفسیر سورہ لہب اردو ترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

کے اصولوں میں ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ	اور کہو میرے بندوں سے کہ وہ بات کہیں جو
اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ	بہترین ہو کیونکہ شیطان فساد ڈلواتا ہے ان کے بیچ
بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ	شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، تمہارا
لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۔ رَبُّكُمْ	رب تم کو خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے گا رحم
اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ	کرے گا اور اگر چاہے گا عذاب دیگا اور ہم نے
اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ	تم کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا ہے اور
عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۔ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ	تیرا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں
بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ	اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں
فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ	کو بعض پر فضیلت دی ہے اور داؤد کو
وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا	ہم نے زبور دی۔

اس آیت نے وہ تمام اصول بیان کر دیئے جو ایک مبلغ کے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ یعنی اس کو ہمیشہ بہترین اسلوب سے اپنا مقصد پیش کرنا چاہئے۔ شیطان کے فریب میں آکر دوسروں کی ہجو و تحقیر کر کے ان کے دلوں کو خراب نہ کرنا چاہئے، اور نہ کبھی دوسروں کے پیشواؤں کی تحقیر اور اپنے پیشواؤں کی توقیر کو ذریعہ کامیابی بنانا چاہئے کہ یہ راہ تبلیغ کی راہ نہیں ہے۔ فتنہ کی راہ ہے۔

حکمتِ غرب

مارکس اریلیس کے خیالات

از جناب مولوی نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے

اگر تو اپنے عمل کو اصول فلسفہ کے قالب میں نہیں ڈھال سکتا تو متکدر، متنغض، کوفت اور ناامیدی سے مغلوب نہ ہو۔ جب ایک امید کا خاتمہ ہو جائے تو پھر مشغول مجاہدہ ہو جا۔ اگر تیرے بیشتر کام انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہیں تو تجھے بالکل مطمئن ہونا چاہئے۔ جیسے عاشق محبوب کی طرف ہمہ شوق تیز گام ہوتا ہے اسی طرح تو بھی قدم بڑھائے جا۔ فلسفہ کو خوفناک معلم نہ سمجھ، بلکہ تو اس کی طرف اسی طرح متوجہ ہو جیسے آشوب چشم کا مریض اسپنج اور انڈے کی طرف یا دوسرا مریض ضماد لگانے اور چھڑکنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ فطرت کی ایسی فرمانبرداری سے تجھکو کسی درد کی مزید کسک نہ محسوس ہوگی بلکہ تجھکو طمانیت اور سکون قلب حاصل ہوگا۔ اس بات کو یاد رکھ کہ منشاء فلسفہ اور تیری فطرت کے منشاء میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو تو تجھکو سمجھنا چاہئے کہ تیری ہی ایک ایسی خواہش ہے جس کو فطرت منع کرتی ہے، فطرت کی اس ممانعت سے تو مذبذب ہو جاتا ہے لیکن اپنی خواہش کی غایت دلکشی کا بھی تو قائل ہوتا ہے۔ لیکن کیا یہ تعیش کا صرف دلچسپ مغالطہ نہیں ہے؟ دیکھ اور غور کر کیا تحمل، آزادی، سادگی، رحم، پاکی میں اس سے زیادہ دلکشی نہیں ہے، کیا عقل سے زیادہ کسی اور چیز میں پُرسحر دلکشی ہے جبکہ ایک آدمی یوں غور کر سکتا ہے کہ اس کی فہم و ادراک ہی مکمل استقلال

اور بے روک ترقی کے حامل ہیں۔

"کس مقصد کے لئے میں اپنی روح استعمال کر رہا ہوں"؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کو ہر گھنٹہ اپنی ہی ذات سے کرنا میرا فرض ہے۔ مزید دریافت طلب امر یہ ہے کہ میری وہ چیز جسکو "کارفرما اصول" کہتے ہیں اس وقت کن اجزاء پر مشتمل ہے؟ میری روح جیسا کہ وہ اسوقت ہے ٹھیک طور پر کس کی روح کے مانند ہے؟ اس کا خیال رکھ کر وہ بچہ کی روح نہ ثابت ہو، وہ طفلانہ، زنانہ، غلامانہ روح نہ ہو، وہ ایک بیل یا چیتا کی روح نہ ہو۔

"جیسے تیرے خیالات ہوتے ہیں ویسا ہی تیرا دماغ بھی ہوگا کیونکہ خیالات کی عکس ریزی روح قبول کرتی ہے پس روح کو ان خیالات کی یکرنگی سے تو گہرا رنگ دے۔ جہاں زندگی ممکن ہے وہاں نیک زندگی ممکن ہے پس جہاں زندگی کا وجود ممکن ہے وہاں نیکی کا بھی وجود ممکن ہے۔ اور جس مقصد کے لئے بھی جو چیز بنائی گئی ہے اسی مقصد کی طرف وہ چیز رخ کرتی ہے اور جس طرف بھی وہ جاتی ہے وہیں اس کا مستقر ہوتا ہے، جہاں مستقر ہوتا ہے وہیں اس کی سود مندی، منفعت بخشی، اور مکمل سودمندی کا سرچشمہ ہوتا ہے" پس عقلی زندگی کی سودمندی کا مقصود جماعت ہے کیونکہ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے جماعت ہی ہماری زندگی کا مقصود ہے۔ یہ بات خوب واضح کر دی گئی ہے کہ ادنیٰ کے وجود کی غرض و غایت اعلیٰ کی خدمت اور اعلیٰ کے وجود کا مقصد باہم ایک دوسرے کی خدمت کرنا ہے۔ ذی حیات، جمادات سے اور حامل عقل، ذی حیات سے برتر ہیں۔

شے ناممکن الحصول کا تعاقب دیوانگی ہے۔ بدوں کیلئے اپنی بدی کے خلاف عمل پیرا ہونا ایک ناممکن بات ہے۔

بجز اس افتاد کے جو ایک شخص خود فطرتاً برداشت کر سکتا ہے کسی پر کوئی افتاد نہیں پڑتی۔ وہی افتاد کسی اوپر پڑ سکتی ہے اور ممکن ہے کہ صرف اسکی افتاد سے لاعلمی یا ودمیدان بننے کی خواہش اس کو قوی اور ہزیمت سے غیر متاثر رکھے۔ تو ایسی صورت میں کیا یہ بات قابل انگیز ہے کہ جہالت اور نمود و نمائش اپنے کو عقل سے قوی تر ثابت کریں۔

بذات خود چیزیں روح سے کوئی بھی ربطہ و واسطہ نہیں رکھتی ہیں۔ چیزوں کو کوئی اندرونی رسائی بھی حاصل نہیں، روح کی تبدیلیوں اور حرکت پر ان کو کوئی قابو نہیں کیونکہ روح خود بخود تبدیل و متحرک ہوتی ہے اور روح جو بھی فیصلہ مناسب سمجھتی ہے اسی کے مطابق یہ (روح) ان تمام چیزوں کو ڈھال دیتی ہے جو باہر سے اندر آنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔

ایک نقطہ نظر سے انسان ہمارے لئے عزیز اور محبوب ترین شے ہے یعنی جس حد تک ہمارے لئے یہ شایان شان ہے کہ ہم بنی نوع انسان کی بھلائی اور اسکی غمگساری کریں لیکن جب بعض انسان میرے فرائض کے راستہ میں سنگ راہ ہونے لگتا ہے تو اسوقت انسان میرے لئے ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسے اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو نہ مجھے محبت ہے نہ نفرت وہ اسی زمرہ میں آجاتا ہے جیسے سورج یا ہوا، یا ہیں جو فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ لوگ کہیں کہیں میری جد و جہد میں مخل ہو سکتے ہیں لیکن میری تحریکات طبعی اور میری طبیعت ہر رخنہ اندازی کی دسترس سے محفوظ ہیں کیونکہ حالات کے مطابق عمل اور تبدیلی کی قوت ان میں ودیعت کی گئی ہے کیونکہ دماغ یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ہر رخنہ کو جو اس کی سرگرمی میں مخل ہو اس میں مکانی و ذاتی تبدیلی کر کے اس کو اپنی جد و جہد میں امداد کا وسیلہ بنا لے بس راہ عمل کی ہر رکاوٹ حلیف بنجاتی ہے اور راستہ کا ہر سنگ گراں شمع راہ بنکر آگے کی منزل کی رہنمائی کرتا ہے۔

تقریظ و تبصرہ

تنقیحات ۔ مولفہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ تقطیع ۲۲×۳۰/۲۰ ضخامت ۲۰۴ صفحے کتابت نہایت خوشخط طباعت عمدہ، کاغذ سفید گلیز، قیمت غیر مجلد ۱۲؍ محصولڈاک ۴؍

پتہ :- دفتر ترجمان القرآن، ملتان روڈ، لاہور۔

پچھلے چند برسوں میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے رسالہ ترجمان القرآن میں اسلام اور مغربی تہذیب کے باہمی تصادم سے پیدا شدہ مسائل پر بعض عمدہ تنقیدی مقالات لکھے ہیں۔ اب وہی مضامین ادارہ دارالاسلام نے "تنقیحات" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر دیئے ہیں۔ یہ مضامین تعداد میں بیس ہیں۔ ان میں مغربی تعلیم و تمدن کے اثرات اور ان کی پیدا کردہ غلط فہمیوں پر نہایت عالمانہ تنقید کی گئی ہے۔ ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوجوان جو مذہب کا مطالعہ کئے بغیر محض سنی سنائی باتوں کی وجہ سے دھوکے میں آگئے ہیں وہ ان مضامین کو پڑھیں اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی بہتری منظور ہوگی تو اس سے ان کے دلوں کے بہت سے شبہے دور ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی ہم عربی مدارس کے نئے فارغین کو بھی ان مضامین کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں اس سے ان میں مذہبی مسائل پر فکر و نظر کا سلیقہ پیدا ہوگا۔ حالات کے اثر سے عربی مدارس کے نئے فارغین میں کچھ رواداری اور روشن خیالی تو پیدا ہو چلی ہے لیکن نئے طریق فکر و نظر سے ناآشنائی کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ آزادی بے قیدی اور مطلق العنانی کی صورت نہ

اختیار کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مصنف کی ان خدمات میں روز افزوں اضافہ ہو اور ان چیزوں کو پڑھنے والے اور ان کو مسلمانوں میں پھیلانے والے پیدا ہوں۔

مصنف کے سیاسی نظریات سے ہم کو جو اختلاف ہے وہ سب کو معلوم ہے اسلئے ان سے تعرض کی ضرورت نہیں۔

رسالہ دینیات ۔ مولفہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۱۳۲ صفحے۔ کتابت وطباعت بہتر، کاغذ سفید گلیز، قیمت ۱۲ محصولڈاک ۲ر پتہ:۔ دفتر ترجمان القرآن، ملتان روڈ، لاہور۔

مولانا مودودی نے دکن کے بعض علماء کے مشورہ سے یہ رسالہ بالکل نئے انداز پر ہائی اسکولوں کی آخری جماعتوں اور کالجوں کی ابتدائی کلاسوں کیلئے لکھا تھا جسے حیدرآباد کے محکمہ تعلیمات نے شریک نصاب کر لیا ہے۔ اس پر الاصلاح کی کسی گذشتہ اشاعت میں تفصیلی تبصرہ ہو چکا ہے۔ یہ اسی رسالہ کا دوسرا اڈیشن بعض ضروری اضافوں اور ترمیمات کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اب پہلے سے اس کی افادی حیثیت بڑھ گئی ہے۔ امید ہے مسلمان اس کی قدر کریں گے۔ اسلامی اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں داخل کر کے اس کے فائدہ کو عام کریں گے۔

تفسیر بالرائے ۔۔ مؤلفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۱۱۲ صفحے، کتابت وطباعت بہتر کاغذ سفید قیمت :۔ ۱۰ر محصولڈاک عر پتہ :۔ دفتر اہلحدیث۔ امرتسر (پنجاب)

اس کتاب میں ابتداءً تفسیر بالرائے کے معنی ومفہوم کی تشریح کی گئی ہے، اس کے بعد بقول مصنف مروجہ اردو تفسیروں میں سے ان تمام تفسیروں کی اصلاح کی گئی ہے جو تفسیر بالرائے کی مصداق ہیں۔ مصنف نے خصوصیت کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی، مولوی مقبول احمد شیعی، مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی محمد علی لاہوری، مولوی احمد الدین امرتسری، مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان، شیخ بہاء اللہ ایرانی، خواجہ حسن نظامی کی تفسیروں کو سامنے رکھا ہے اور ہر ایک کی غلطیاں الگ الگ واضح کی ہیں اور اس طرح یہ کتاب سورۂ فاتحہ سے شروع ہو کر سورۂ بقرہ پر تمام ہوتی ہے۔ اور شائع

اسی انداز پر مصنف پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھ ڈالیں۔ مصنف کو ردّ وجواب اور بحث ومناظرہ میں جو یدطولیٰ حاصل ہے اس کی شہادت اس کتاب کے ہر صفحہ میں موجود ہے۔ جو لوگ اس طرح کی چیزوں سے ذوق رکھتے ہیں وہ امید ہے اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ہندوستان کی صنعت و تجارت ۔ مصنفہ مولانا منت اللہ رحمانی۔ ایم۔ ال۔ اے (بہار) تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ حجم ۲۱۲ صفحے۔ کتابت، طباعت، کاغذ عمدہ قیمت مرقوم نہیں۔ پتہ: مکتبہ حنیفیہ، مونگیر (بہار)

اس کتاب میں ہندوستان کی صنعت وتجارت کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ عہد قدیم میں ہندوستانی صنعت وتجارت کا کیا حال تھا اور کن کن ممالک کے ساتھ ہندوستان کے تجارتی تعلقات تھے۔ اور یہاں کی مصنوعات اور خام مال کی کن کن ملکوں میں کھپت تھی۔ مسلمان جب آئے تو انھوں نے اپنے دوران قیام اور زمانہ حکومت میں ہندوستانی صنعت وحرفت میں کتنا حصہ لیا اور کیا کیا تغیرات پیدا کئے۔ ان کی کوششوں سے یہاں کی صنعت وحرفت اور تجارت کو کتنا فروغ ہوا۔ اور دوسرے ممالک میں یہاں کی مصنوعات کی کس قدر مانگ بڑھی۔ انگریز جب تک ہندوستان میں نہیں آئے تھے تو یہاں کی پارچہ بافی، جہازسازی، لوہا، رنگ، تیل، عطر، ہاتھی دانت، اور پتھر کی مصنوعات، نیز خام مال کی تجارت کی ترقی کے کیا اسباب ووجوہ تھے۔ پھر جب انگریزوں کا قدم ہندوستان میں پہنچا اور یورپ کے مختلف ممالک کی کمپنیاں آنا شروع ہوئیں تو انھوں نے ہندوستانی صناعوں اور مصنوعات کی برآمد کی راہ میں کیا کیا کانٹے بوئے، ان کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی تو اس نے ہندوستانی صنعت وحرفت اور کچے مال کی تجارت کو کس طرح برباد کیا۔ اور یہاں کے کاریگروں پر کیسے دردناک مظالم توڑے۔ پھر جب ایسٹ انڈیا کمپنی موجودہ حکومت میں تبدیل ہو گئی تو اس حکومت نے ہندوستانی اشیاء کی برآمد پر کتنا زبردست محصول عائد کیا۔ اور دوسرے ممالک

بالخصوص انگلستان میں یہاں کے کپڑوں وغیرہ کی کس طرح ممانعت کردی۔ یہاں کی صنعت جہاز سازی کے مال کی تجارت اور دیگر قسم کی مصنوعات کو کن کن حیلوں سے تباہ کیا اور ہندوستان کو لوٹ کر انگلینڈ کی صنعتی حیثیت کو کس قدر ترقی دی۔ اس تمام سرگذشت کے بعد مصنف نے نہایت قوی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کی صنعت و تجارت کی تباہی کی ذمہ داری صرف انگریزوں پر ہے

گو یہ کتاب دو سو سے زائد صفحات پر چھپی ہوئی ہے لیکن موضوع کی اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے ابھی بہت تشنہ اور مختصر ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ملک نے اس کتاب کی قدر کی تو مصنف دوسرے اڈیشن میں اس کو اس سے زیادہ مکمل اور بہتر صورت میں پیش کریں گے۔ اس میں بنگال و بہار کی صنعتوں کا تذکرہ جتنا زیادہ ہے دوسرے صوبوں کی صنعتوں کا اتنا ہی کم اور بعض کا صفر کے برابر ہے۔ دوسرے مؤرخین و مصنفین کے جو اقوال اس میں درج ہیں ان کو اگر کتابوں اور ان کے صفحات کی قید کے ساتھ درج کیا جاتا تو وہ زیادہ بھروسہ کے قابل ہوتے۔ البتہ یہ خوب بات ہوئی ہے کہ یورپی مصنفین اور اشخاص کے نام ان کے اصل انگریزی حروف میں بھی لکھے ہوئے ہیں۔ جو لوگ سیاسی حالات و واقعات سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے یہ ایک عمدہ چیز ہے جس سے ان کی معلومات میں اضافہ بھی ہوگا اور عند الضرورت وہ اس سے استشہاد بھی کرسکیں گے۔

دنیا کی کہانی ۔ مصنفہ پروفیسر محمد مجیب بی۔ اے (آکسن)، تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۲۲۶ صفحات، کتابت و طباعت صاف ستھری۔ کاغذ سفید گلیز۔ قیمت دو روپے ۲/
پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔ لاہور، لکھنؤ۔

یہ مصنف کی ان چند تقریروں کا مجموعہ ہے جو آل انڈیا ریڈیو کی فرمائش پر تیار کی گئی

تھیں۔ اب انہی کو ریڈیو ڈائرکٹر کی اجازت سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ اس میں آفرینش دنیا سے لیکر آج تک کی تاریخ کا نہایت عمدہ خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ پہلے دنیا کی پیدائش کے علمی اور سائنٹفک وجوہ و اسباب بتائے گئے ہیں۔ پھر دنیا کی ابتدائی تہذیب اور شرق و مغرب کی تمام قدیم مشہور تہذیبوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ قدیم یونان و روما، ہندوستان و چین کی تہذیب، ایرانی تمدن، عیسائی مذہب، اسلام اور مسلمانوں کی سیاست، اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی اور طور طریقے، بڑی خوبی سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ترک و تاتار کے حملوں کے واقعات، مسلمانوں کے اختلاط سے پیدا شدہ ہندوستانی تہذیب، یورپ کی ابتدائی تہذیب، موجودہ یورپین سیاست، موجودہ مغربی تہذیب، اور حالات حاضرہ کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ یہی حالات اور کتابوں میں بھی بیان کئے گئے ہیں لیکن اتنے روکھے پھیکے انداز میں کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس کے مطالعہ سے جی اچاٹ ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ کتاب میر باقر کی داستان سے زیادہ پرلطف معلوم ہوتی ہے۔ پڑھتے چلے جایئے مگر سیری نہیں ہوتی۔ زبان بھی نہایت پیاری اور صاف ستھری ہے

رسول پاک ۔ مؤلفہ مولوی عبدالواحد سندھی جامعی استاد مدرسہ ابتدائی جامعہ، تقطیع ۲۰×۲۲/۱۶ ضخامت ۱۶۵ صفحے۔ کتابت و طباعت نہایت روشن، کاغذ سفید قیمت آٹھ آنے
پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی، لاہور، لکھنؤ۔

یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے اس میں سرور کونین صلعم کی سیرت پاک کو بیان کیا گیا ہے۔ رسول پاک کون تھے؟ رسول پاک کیسے تھے؟ رسول پاک نے کیا سکھایا؟ اس کتاب کے یہ تین جلی عنوانات ہیں۔ ہر ایک عنوان کے تحت بہت سی ذیلی سرخیاں

ہیں، جس میں آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ زبان نہایت پیاری اور طرز بیان اتنا دلنشین ہے کہ بچے اس کے پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی الجھن نہ محسوس کریں گے۔ بچوں کے مطالعہ کے لئے نہایت عمدہ کتاب ہے۔

محکومیت نسواں ۔ مصنفہ جان اسٹوارٹ مل۔ ترجمہ مولوی معین الدین انصاری بی۔ اے (کینٹب) ایم، آر، اے، ایس (لندن) بیرسٹرایٹ لا تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ حجم ۱۲۳ صفحے کتابت وطباعت بہتر، کاغذ نفیس۔ جلد مضبوط گرد پوش خوبصورت۔ قیمت ایک روپیہ

پتہ:۔ مکتبہ پنجاب ۔ لاہور۔

یہ مل کی مشہور تصنیف (The subjection of women.) کا ترجمہ ہے۔ اس میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیئے جانے کی پرزور حمایت کی گئی ہے۔ اور عورتوں کو ذہنی وفکری صلاحیت، علمی وسیاسی قابلیت، اور فوجی وانتظامی استعداد میں مردوں کے ہم پلہ ثابت کیا گیا ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ ہرزمانہ، ہر تمدن، ہر حکومت، جملہ مذاہب، اور دنیا کے تمام سماجی نظاموں میں عورتوں کے حقوق کے ساتھ بڑی ناانصافی برتی گئی ہے اور انھیں دنیا کے سماج میں ایک خادمہ سے زیادہ کبھی رتبہ نہیں دیا گیا ضرورت ہے کہ یہ ناانصافیاں دور ہوں اور عورتوں کو جملہ امور دنیا میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ مصنف کا انداز بیان نہایت پرجوش اور موثر ہے۔ یورپ کے طبقہ نسواں کی موجودہ بے قیدی، اسی قسم کے موثر پروپگنڈے کا نتیجہ ہے۔ عورتوں کے حقوق کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کی اس داستان میں مصنف نے اسلام کے ساتھ بڑی ناانصافی کی ہے۔ حالانکہ دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے زیادہ عورتوں کے حقوق اور ان کی سماجی رفعت کی طرف جس مذہب نے توجہ کی وہ مذہب اسلام ہی ہے۔ گو مترجم نے اسے مصنف

کی ناواقفیت اور تاریخ اسلام سے بے خبری پر محمول کیا ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ تعصب کی ایک بدترین مثال ہے۔ کیونکہ عیسائیت کے متعلق اس کے یہ خیالات نہیں ہیں۔ عیسائیت کی پاسداری کتاب میں جگہ جگہ نمایاں ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ بہت اچھا ہوا ہے۔ مگر فی نفسہ کتاب میں کوئی خاص بات نہیں ہے مل کے دلائل نہایت سطحی اور اوچھے ہیں۔

اجتماعی زندگی کی ابتدا ۔ مصنفہ پروفیسر محمد عاقل۔ ایم۔ اے۔ استاد معاشیات جامعہ ملیہ تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ حجم ۱۱۲ صفحے کتابت وطباعت بہتر۔ کاغذ سفید۔ قیمت آٹھ آنے۔

پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی ۔ لاہور، لکھنؤ۔

یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے انسان کی اجتماعی زندگی کے بالکل ابتدائی حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں انسان کے آغاز اور اس کی ابتدائی نشو ونما کو جدید نظریہ ارتقاء اور اثری تحقیقات کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ شروع شروع میں انسان کے رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، ہنسنے بولنے، اور کھانے پینے کے کیا انداز تھے۔ اور اس کے اندر اجتماعی شعور نے کب سے جنم لیا۔ اس کے بڑھنے اور پھیلنے کے کیا وجوہ واسباب ہوئے اور اس شعور نے انسان کی معاشی احتیاجات میں کتنا دخل پایا معاشی احتیاجات کے پورا کرنے کے لئے تجارت، کاشت، صنعت، اور دوسرے معیشت کے اسباب کیسے پیدا ہوئے۔ اور ان اسباب نے انسانی زندگی کے اندر کتنی تبدیلیاں پیدا کیں، آبادیاں اور شہر کیسے بنے۔ جرگے خاندان اور قبائل کیسے وجود میں آئے اور ان کے وجود میں آنے کے بعد انسان کے اندر کیا تہذیبی تغیرات ہوئے۔ غرض یہ تمام باتیں انسان کی اجتماعی زندگی کے بالکل ابتدائی مراحل سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے اس کتاب کو بھی اردو میں اجتماعیات کی پہلی ہی کتاب سمجھنا چاہئے۔

امید ہے صاحب کتاب ہندوستانی زبان کی تہی دامنی کا خیال کرتے ہوئے آئندہ بھی اس موضوع پر لکھتے رہیں گے۔

ادب لطیف ڈرامہ نمبر۔ مرتبہ جناب چودھری برکت علی بی۔ اے و جناب مرزا ادیب بی۔ اے۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۸ ضخامت ۲۲۲ صفحے کتابت وطباعت بہتر، کاغذ سفید چکنا، قیمت ڈرامہ نمبر ۱۲ر قیمت سالانہ مع سالنامہ وغیرہ للعہ۔ پتہ:۔ مکتبہ اردو، لاہور۔

ڈرامہ بحیثیت فن، دنیائے ادب کا نہایت مفید اور ترقی یافتہ شعبہ ہے۔ موجودہ عہد کے ذہنی اور سیاسی انقلاب نے اسے بہت کچھ دخل دیا ہے۔ اردو میں اس شعبہ کی ابتک جو کچھ خدمت کی گئی ہے وہ بالکل تفریحی اور ابتدائی ہے۔ لے دے کے آغا حشر کشمیری، احسن لکھنوی یا دو ایک اور گنتی کے ڈرامہ نگاروں نے ادب کے اس خاص حصہ کے ترقی دینے میں کافی سرگرمی دکھلائی اور اسمیں شبہ نہیں کہ انکی ترقی میں انکا بڑا ہاتھ ہے۔ انکی کوششیں کسی طرح بھلائی نہیں جا سکتیں۔ مگر یہ اسوقت کی بات ہے جب ہماری نظر ادبیت اور دوسرے ذہنی و سماجی تغیرات سے زیادہ تفریح اور خوش باشی پر تھی۔ اور ہمارا ذہن منظر سے آگے بڑھکر پس منظر دیکھنے کا عادی نہ تھا۔ اب جبکہ دنیا کا سطح نظر پہلے سے بالکل مختلف ہے۔ دوڑنے والوں نے پرانی ڈگر چھوڑ کر نئی طرز کی سڑک پر بھاگنا شروع کر دیا ہے۔ روز بروز دماغوں پر ترقی پسند رجحانات غالب آتے جاتے ہیں۔ لازماً حالات کی ان تبدیلیوں سے ادب کے اس شعبہ میں بھی تبدیلی کے امکانات پیدا ہوئے۔ اور ہمارے نوجوان ادیب اس پر دوسرے نقطۂ نظر سے سوچنے اور لکھنے لگے۔ اسے موجودہ حالات کے لحاظ سے مفید اور کارآمد بنانے اور ترقی یافتہ زبانوں میں اس کا جو معیار آج قائم ہو چکا ہے۔ اس معیار تک پہنچنے کے لئے کوشش کرنے لگے۔ یہ ڈرامہ نمبر اسی سلسلہ کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس کے اکثر ڈرامے مفید اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ بعض ترجمے ہیں لیکن وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ادب لطیف کے کارکنوں نے ایسے ہی ڈراموں کو جگہ دی ہے جنہیں ذہنی و سیاسی، سماجی اور تعلیمی انقلاب کا کوئی پہلو ضرور ہے۔ ڈرامہ نویسی کی تاریخ اور اس کے دوسرے اصناف پر بعض مختصر مقالے بھی ہیں۔ ان میں پروفیسر سید اختر اورینوی ایم۔ اے کا مقالہ "ڈرامہ نویسی فنی نقطۂ نظر سے" اختصار کے باوجود ہمیں پسند ہے۔ اگر ادب لطیف میں یہ حسن انتخاب باقی رہا اور اس کے صفحات کو بازاری چیزوں سے آلودہ نہیں کیا گیا تو امید ہے ادب میں وہ اپنا ایک خاص مقام پیدا کرے گا۔

"ع۔ ن"

تفسیر سورہ عصر

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورہ عصر کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ تفسیر جامعیت کے ساتھ بعض دقیق مباحث قرآنی کی حامل ہے۔ لفظ عصر کی تحقیق اور سوگند کے قسم کی تاویل نہایت بصیرت افروز ہے۔ آخر میں ایمان کے مفہوم اور حق و صبر کے باہمی تعلق کی تشریح کی بڑی اثر انگیز اور ایمان افروز ہے۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۲۷ صفحے۔ کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت جاذب نظر۔ قیمت ۶ر

تفسیر سورہ لہب

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی تفسیر سورہ لہب کا اردو ترجمہ ہے۔ اسمیں عام خیال کی مدلل تردید کی گئی ہے کہ یہ سورہ بد دعا ہے۔ ابو لہب اور اس کی بیوی کے وجوہ ذکر نہایت اثر انگیز ہیں۔ اس تفسیر کی اصلی عظمت کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا۔ کتابت و طباعت بہترین، کاغذ نہایت عمدہ۔ حجم ۱۴ صفحے۔ قیمت ۶ر

تفسیر سورہ کافرون

اس میں ہجرت اور برأت کا اصلی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ اور نبوت کے مراحل و مقامات کی توضیح اس قدر حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی بیشمار مشکلات آپ سے آپ حل ہو گئی ہیں۔ کتابت و طباعت بہترین۔ کاغذ عمدہ۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۴۰ صفحے۔ قیمت ۴ر

منیجر